تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

ماہنامہ

انصار اللہ

ربوہ

ہجرت ۱۳۶۱ھ
مئی ۱۹۸۲ء

ایڈیٹر
غلام باری سیف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

رجب ۱۴۰۲ھ ہجری

ہجرت ۱۳۶۱ ہش

مئی ۱۹۸۲ء

ایڈیٹر

غلام باری سیف

مدیرانِ اعزازی

ملک صلاح الدین صاحب بھارت ۔ مبارک احمد صاحب ساقی لنڈن

کمال یوسف صاحب سکینڈے نیویا

شرح چندہ ماہنامہ "انصار اللہ"

پاکستان ـــــ پندرہ روپے سالانہ ۱۵/-

امریکہ، کینیڈا، جزائر فجی:
- بذریعہ ہوائی ڈاک ـــ ایک سو پچاس ۱۵۰/- ؍؍ ؍؍
- ؍؍ بحری ڈاک ـــ اسی ۸۰/- ؍؍ ؍؍

دیگر ممالک:
- بذریعہ ہوائی ڈاک ـــ ایک سو ۱۰۰/- ؍؍ ؍؍
- ؍؍ بحری ڈاک ـــ ساٹھ ۶۰/- ؍؍ ؍؍

فہرست مضامین

پبلشر: چوہدری محمد ابراہیم

پرنٹر: سید عبدالحیٔ

مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ

مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ انصار اللہ دار الصدر جنوبی ربوہ

کتابت: محمد رفیق احمد (نسرین رقم) ربوہ

قیمت فی پرچہ ۔ ڈیڑھ روپیہ ۱/۵۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جلد ۲۳ | ماہنامہ "انصاراللہ" ربوہ | شمارہ ۵

ہجرت ۱۳۶۱ ہش

قوّتِ یقین

حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی بیان کرتے ہیں کہ حضرت اقدس بانی سلسلہ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ کے آنے کی کیا غرض ہے۔ حضرت اقدس نے جواب دیا:-

"مَیں اس لئے آیا ہوں تا لوگ قوّتِ یقین میں ترقی کریں۔" (ملفوظات جلد ۱ ص ۱)

اس واقعہ کے قریبًا دس سال بعد عیدالفطر کی تقریب کے موقعہ پر احباب سے خطاب کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:-

"سو خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ اس نے اس زمانہ میں جسکو پھر ایمان زندہ کرنے کے لئے مامور کیا۔ اور اس نے بھیجا کہ تا لوگ قوّت یقین میں ترقی کریں۔" (ملفوظات جلد ۲ ص ۲۰۲)

یقین۔ شک، ظن اور تخمینہ کا متضاد ہے۔ خدا کی معرفت رکھنے والے خود یقین کے مقام پر فائز ہوتے ہیں اور دوسروں میں وہ یقین پیدا کرتے ہیں۔ وہ مخلوق کو شک اور ظن کی بھول بھلیوں سے نکالتے ہیں اور یقین کے بلند مینار پر کھڑا کرتے ہیں۔ یقین ایمان کی بھی صفت ہوسکتا ہے اور علم کی بھی۔ یقینی علم اور حقیقی ایمان پیدا کرنے کے لئے خدا کے مامور دُنیا میں آتے ہیں۔ اور حقیقی ایمان جب کسی کو عطا ہوجائے تو اُسے وہ قوّت ملتی ہے جو ہر مصیبت اور آزمائش کو اس کے لئے آسان کر دیتی ہے۔ وہ عزم اُسے عطا کرتی ہے کہ اس کے مقابل میں پہاڑ بھی ہیچ ہوتے ہیں۔ حقیقی ایمان نصیب ہوجائے تو انسان اپنے متبوع کے رنگ میں رنگین ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ حقیقی ایمان پیدا ہوجائے تو کوئی ترغیب اور ترہیب پائے ثبات میں لغزش پیدا نہیں کرسکتی۔ حقیقی ایمان مل جائے تو ہر امتحان آسان ہوجاتا ہے۔ گناہ سے نفرت اور دُوری اس کے نتیجہ میں ہوتی ہے۔ دُنیا کی محبت سرد اور آخرت کا غالب تصور یقین کی ہی پیداوار ہے۔ یقین کی قوّت کے سامنے ہر قوّت ماند ہے۔ اور یہ قوّت ملتی ہے۔ خدا کے پیاروں کی صُحبت اور اُن کے سامنے زانوئے تلّمذ طے کرنے سے۔

حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ نے خصوصیّت سے اپنی دو کتابوں میں یقین کے متعلق بہت پیارے اور مؤثر انداز میں بیان کیا ہے۔ اس پر غور و فکر کیجئے اور کوشش کیجئے کہ یہ قوّت ہمیں نصیب ہو جائے۔ حضرت اقدس نے جب اپنی لطیف تصنیف کشتی نوح تالیف فرمائی تو آپ نے جماعت کو نصیحت فرمائی کہ اسے بار بار پڑھا جائے۔ جماعتوں میں اس کا درس دیا جائے۔ اپنی اس کتاب میں حضور فرماتے ہیں۔

"اے وے لوگو! جو نیکی اور راستبازی کے لئے بُلائے گئے ہو، تم یقیناً سمجھو کہ خدا کی کشش اس وقت تم میں پیدا ہوگی اور اُس وقت تم گناہ کے مکروہ داغ سے پاک کئے جاؤ گے جبکہ تمہارے دل یقین سے بھر جائیں گے شاید تم کہو گے کہ ہمیں یقین حاصل ہے۔ سو یاد رہے کہ یہ تمہیں دھوکا لگا ہُوا ہے۔ یقین تمہیں ہرگز حاصل نہیں۔ کیونکہ اس کے لوازم حاصل نہیں۔ وجہ یہ کہ تم گناہ سے باہر نہیں آتے۔ تم ایسا قدم آگے نہیں اٹھاتے جو اٹھانا چاہیئے۔ تم ایسے طور سے نہیں ڈرتے جو ڈرنا چاہیئے۔ خود سوچ لو کہ جس کو یقین ہے کہ فلاں سوراخ میں سانپ ہے وہ اُس سوراخ میں کب ہاتھ ڈالتا ہے۔ اور جس کو یقین ہے کہ اُس کے کھانے میں زہر ہے وہ اُس کھانے کو کب کھاتا ہے۔ اور جو یقینی طور پر دیکھ رہا ہے کہ اس فلاں بن میں ایک ہزار خونخوار شیر ہے۔ اس کا قدم کیونکر بے احتیاطی اور غفلت سے اُس بن کی طرف اُٹھ سکتا ہے۔ سو تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں اور تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں کیونکر گناہ پر دلیری کر سکتی ہیں اگر تمہیں خدا اور جزا سزا پر یقین ہے۔ **گناہ یقین پر غالب نہیں ہو سکتا**۔ اور جبکہ تم ایک بھسم کرنے اور کھا جانے والی آگ کو دیکھ رہے ہو تو کیونکر اس آگ میں اپنے تئیں ڈال سکتے ہو۔ اور یقین کی دیواریں آسمان تک ہیں۔ شیطان ان پر چڑھ نہیں سکتا۔ ہر ایک جو پاک ہوا وہ یقین سے پاک ہوا۔ یقین دُکھ اٹھانے کی طاقت دیتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک بادشاہ کو تخت سے اتارتا ہے اور فقیری جامہ پہناتا ہے یقین ہر ایک دُکھ کو سہل کر دیتا ہے۔ یقین خدا کو دکھاتا ہے .... ہر ایک پاکیزگی یقین کی راہ سے آتی ہے۔ وہ چیز جو گناہ سے چھڑاتی اور خدا تک پہنچاتی ہے۔ اور فرشتوں سے بھی صدق اور ثبات میں آگے بڑھا دیتی ہے وہ یقین ہے۔ ...... انسان اسی وقت گناہ سے مخلصی پاتا ہے جبکہ وہ خدا اور اس کے جبروت اور جزا سزا پر یقینی طور پر اطلاع پاتا ہے۔ ہر ایک بے باکی کی جڑھ بے خبری ہے۔ جو شخص خدا کی یقینی معرفت سے کوئی حصّہ لیتا ہے وہ بے باک نہیں رہ سکتا۔ اگر گھر کا مالک جانتا ہے کہ ایک پُر زور سیلاب نے اس کے گھر کی طرف رُخ کیا ہے اور یا اس کے گھر کے ارد گرد آگ لگ چکی ہے۔ اور صرف ایک ذرّہ سی جگہ باقی ہے تو وہ اُس گھر میں ٹھہر نہیں سکتا۔ تو پھر تم خدا کی جزا سزا کے یقین کا دعوٰی کر کے کیونکر اپنی خطرناک حالتوں پر ٹھہر سکتے ہو۔"

(کشتی نوح صلا تا ص۶۳)

ملاحظہ کیجئے تحریر کا ایک ایک فقرہ دال ہے کہ یہ تحریر ایک سالک فرستادہ اور عارف باللہ کی ہے۔ تحریر کے ہر لفظ

سے فراست اور بصیرت عیاں ہے۔ اس کی سطح پر عنبر تیرتا ہے تو گہرائی میں جانے والا لعل وجواہر پر اطلاع پاتا ہے۔ اپنی ایک دوسری کتاب نزول المسیح میں یقین کے بارہ میں حضور فرماتے ہیں:۔

"یقین کے بغیر کوئی عمل آسمان پر جانہیں سکتا۔" (نزول المسیح ص۹۲)

فرمایا:۔

"گناہ سے چھڑانا یقین کا کام ہے۔ جھوٹی فقیری اور مشیخت سے توبہ کرانا یقین کا کام ہے۔ خدا کو دکھلانا یقین کا کام ہے۔ .... وہ مرکّب یقین ہے جو تمہیں خدا تک پہنچائے گا۔ اے پاکیزگی کے ڈھونڈنے والو! اگر تم چاہتے ہو کہ پاک دل بن کر زمین پر چلو اور فرشتے تم سے مصافحہ کریں۔ تو تم یقین کے راہوں کو ڈھونڈو۔"
(نزول المسیح ص۹)

فرمایا:۔ "نجات کی جڑ اور نجات کا ذریعہ صرف یقین ہے۔" (نزول المسیح ص۱۱۱)

حضرت اقدس کی بعثت کی ایک غرض یہ ہے۔ اس کے علاوہ نو مزید اغراض کا آپ کی کُتب سے ثبوت ملتا ہے۔ انشاءاللہ انہیں دوسرے اوقات میں پیش کیا جائے گا۔ ضرورت ہے کہ ہم یقین کی قوّت حاصل کرکے اس کی برکات سے متمتّع ہوں۔

سو سال قبل

آج سے ٹھیک ایک سو برس قبل ۱۸۸۲ء میں حضرت اقدس کو یہ الہام ہوا وَسِّعْ مَکَانَکَ (تذکرہ ص۵۳) یہ وہ زمانہ ہے کہ حضور نے ابھی اپنی پہلی کتاب "براہین احمدیہ" تصنیف فرمائی تھی۔ کتاب کی اشاعت کے اخراجات کے لئے آپ کو دردمند اور مخیّر حضرات سے اپیل کرنا پڑی۔ ابھی سلسلہ بیعت کا آغاز بھی نہ ہوا تھا۔ اس وقت یہ الہام ہوا لَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰهِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ کہ رجوعِ جہاں ہوگا۔ اُن کی آمد سے نہ اکتانا۔ وسّع مکانکَ مہمانوں کی آمد کثرت سے ہوگی اس کے لئے اپنے مکان کو وسیع کیجئے۔ حضور نے اس ارشادِ خداوندی کی تکمیل کے لئے مولوی محمد عبداللہ صاحب سنوری کو امرتسر بھیجا کہ مکرّم محمد شریف صاحب امرتسری سے مل کر چھپّر باندھنے والا اور چھپّر کا سامان لے آئیں۔ منشی عبداللہ صاحب سنوری کہتے ہیں چنانچہ مکان میں تین چھپّر تیار کروائے گئے۔

یہ الہام بتکرار ۱۸۹۶ء اور ۱۹۰۳ء میں ہوا۔ اور پھر حضور کی وفات سے دو سال قبل ۱۹۰۶ء اور ۱۹۰۷ء میں ہوا۔ قربِ وفات کے الہامات سے یہ استدلال ہوتا ہے کہ یہ اس طرف اشارہ تھا کہ سلسلہ کی ضروریات بڑھتی جائیں گی اور حضور کے مہمانوں کی آمد کی وجہ سے مکانوں میں وسعت کا سلسلہ جاری رکھنا پڑے گا۔

اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ قدرتِ ثانیہ کے تیسرے مظہر کی سب سے بڑی مالی تحریک یعنی صد سالہ احمدیہ جوبلی کے دفتر کا سنگِ بنیاد الہام وسّع مکانکَ کے ٹھیک ایک سو سال بعد یومِ تاسیسِ جماعت یعنی تئیس مارچ کو مرکزِ سلسلہ میں رکھا گیا۔

یہ عمارت دو منزلہ ہوگی۔ اس میں چار علیٰحدہ علیٰحدہ دفاتر کام کر سکیں گے۔ ہر منزل پر دو وسیع میٹنگ ہال ہوں گے۔ گراؤنڈ فلور کا مسقّف رقبہ ۳۸۵۰ مربع فٹ۔ فرسٹ فلور کا مسقّف رقبہ ۳۵۵۰ مربع فٹ۔ اس طرح سے اس عمارت کا کل مسقّف رقبہ ۷۴۰۰ مربع فٹ ہوگا۔

دفتر کا سنگِ بنیاد نافلۃً لک کے مصداق قدرت ثانیہ کے تیسرے مظہر کے مبارک ہاتھوں رکھا گیا۔ بارہ بج کر اٹھارہ منٹ پر حضور نے اینٹ ہاتھ میں لے کر زیرِ لب دُعائیں کرنے کے بعد نصب فرمائی۔ اس کے بعد حضور کے ارشاد پر سیکرٹری جوبلی فنڈ چوہدری ظہور احمد صاحب اور سلسلہ کے اداروں کے نمائندگان۔ ناظر صاحبان اور وکلاء صاحبان نے اینٹیں نصب فرمائیں اور بارہ بج کر اٹھائیس منٹ پر حضور نے اجتماعی دُعا کروائی۔

سلسلہ کے مختلف اداروں کے تحت پُرشکوہ صاف ستھرے گیسٹ ہاؤسز سرائے فضل عمر، سرائے خدمت، سرائے محبت، مختلف ممالک میں مشن ہاؤسز، ان سب کی تعمیر اسی الہام کی تعمیل ہے۔ ــــــ وسّع مکانکَ کی تعمیل کا آغاز وہ تین چھپر تھے۔ اس کی تعمیل کا ایک یہ دَور ہے۔ جو مستقبل میں ہونے والی تعمیر کی ایک جھلک اور پیش خیمہ ہے ــــــ ؎ قیاس کُن زگلستان من بہار مرا

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا

صادق و مصدوق کی پیشگوئی تھی کہ سرورِ کونین سرتاج مرسلین کی وفات کے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہوگی اس کے بعد خلافت ملوکیت اور پھر استبداریت میں تبدیل ہوجائے گی ــــ پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ہوگی۔ (مشکوٰۃ)

آخری فقرہ پر بین السطور کتاب میں لکھا ہے وَالظَّاهِرُ اَنَّ الْمُرَادَ بِهٖ زَمَنُ عِيْسٰى وَالْمَهْدِىِّ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ پھر خلافت علیٰ منہاج النبوت ہوگی۔ یہ مہدی اور مسیح کے زمانہ میں ہوگا۔ بعض اہل علم نے حدیث کے اس حصّہ کا مصداق حضرت عمر بن عبدالعزیز کو قرار دیا ہے۔ جو کہ پہلی صدی کے مجدّد تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہاں نظام خلافت کا ذکر ہے نہ کہ کسی ایک خلیفہ کا۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد تو پھر ملوکیت کا دَور دورہ تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خلافت کے بعد کسی ملوکیت کا ذکر نہیں فرمایا۔ پس حدیث کے آخری فقرہ کا مصداق تو دورِ خلافت ہی ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض شارحین نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو پہلے دَور کی خلافت میں شمار کیا اور استدلال اس حدیث سے کیا کہ اَلْخِلَافَةُ بَعْدِىْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً کہ خلافت خاصہ یا خلافت راشدہ میرے بعد تیس سال تک ہوگی اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ اس میں شامل کر کے تیس سال پورے ہوتے ہیں۔

مبارک ہے وہ شخص جو صادق و مصدوق کی پیشگوئی پر ایمان لاتا ہے۔ اور عروۃ وثقیٰ اور حبل اللہ کو مضبوطی سے تھام لیتا ہے۔

تربیّتِ اولاد

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ. فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْ یُنَصِّرَانِهٖ اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ کَمَثَلِ الْبَهِیْمَةِ تُنْتَجُ الْبَهِیْمَةُ هَلْ تَرٰی فِیْهَا جَدْعَاءَ.

(بخاری ابواب الجنائز باب ما قیل فی اولاد المشرکین)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ ہر بچّہ فطرت صحیحہ پر پیدا کیا جاتا ہے۔ پھر اُسے یہودی یا نصاریٰ یا ستارہ اور آگ پرست اس کے ماں باپ بناتے ہیں۔ جیسے جانور جب بچّے کو جنتا ہے۔ تو اس وقت تو چوپائے کا کان کٹا ہُوا نہیں ہوتا۔ یہ کان تو بعد میں لوگ کاٹتے ہیں۔

تشریح:۔

حدیث کا اصل محور تو تربیّت اولاد کا مضمون ہے۔ ماں باپ کے لئے انذار ہے کہ مبادا تمہاری عدم تربیّت یا غلط تربیّت کے نتیجہ میں بچّہ بے دین اور غلط نظریہ کا حامل نہ ہو جائے۔ اس کی فطرت میں کوئی کجی نہیں ہے۔ فطرت تو ہر ایک کو صحیح اور سلیم عطا ہوتی ہے۔ ماں باپ غلط تربیّت سے یا اپنی کجروی سے ان کو غلط راہ پر ڈال دیتے ہیں۔ اس لئے دُعا اور سعی سے ان کی تربیّت صحیح لائنوں پر کرنی چاہیئے۔

یہاں شارحین حدیث نے یہ بحث بھی اٹھائی ہے کہ مشرکوں کی اولاد کا کیا حکم ہے؟ مختلف مذاہب بیان کئے گئے ہیں

(۱)۔ اُن کا حکم ان کے ماں باپ کا حکم ہے۔

(۲)۔ وہ جنّتیوں کی خدمت کرنے والے ہوں گے۔

(۳)۔ وہ جہنّم میں جائیں گے نہ کہ جنّت میں۔

(۴)۔ اُن کے بارہ میں توقف کیا جائے گا۔ اللہ اپنے علم کے مطابق ان سے سلوک کرے گا۔ اگر اس کے علم میں ہے کہ وہ بڑے ہو کر نیک اعمال کریں گے تو جنّت میں جائیں گے۔

(۵)۔ یہ مختلف اقوال مختلف ائمہ کے حوالہ سے لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ اہل تحقیق کے نزدیک صحیح مذہب یہ ہے کہ وہ جنّتی ہیں۔ اصل خلاصہ یہ ہے کہ ظاہر حکم اُن پر اُن کے ماں باپ کی وجہ سے ہوگا۔ باقی کے بارہ میں توقف کا مذہب زیادہ محتاط مذہب ہے۔

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم

خدا کے بعد میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں مخمور ہوں۔

در رہِ عشق محمدؐ این سر و جانم رود ٭ این تمنا این دعا این در دلم عزم صمیم

محمدؐ کے عشق کی راہ میں میرا سر اور جان قربان ہوں۔ یہی میری خواہش ہے یہی میری دعا ہے اور یہی میرا دلی ارادہ ہے

(توضیح مرام)

ز عشاقِ فرقان و پیغمبریم ٭ بدیں آمدیم و بدیں بگذریم

ہم قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق میں سے ہیں۔ اسی پر ہم آئے ہیں اور اسی حالت پر گذر جائیں گے۔

(ازالہ اوہام)

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم ٭ گر کفر این بود بخدا سخت کافرم

خدا کے بعد میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں سرشار ہوں۔ اگر یہی کفر ہے تو بخدا میں سخت کافر ہوں۔

(ازالہ اوہام)

یا نبی اللہ توئی خورشید رہ ہائے ہدیٰ ٭ بے تو نارد رو براہے عارف پرہیزگار

اے نبی اللہ تو ہی ہدایت کے رستوں کا سورج ہے۔ تیرے بغیر کوئی عارف اور پرہیزگار ہدایت نہیں پا سکتا۔

یا نبی اللہ لب تو چشمہ جاں پرور است ٭ یا نبی اللہ توئی در راہِ حق آموزگار

اے نبی اللہ تیرے ہونٹ زندگی بخش چشمہ ہیں۔ اے نبی اللہ تو ہی خدا کے راستہ کا راہنما ہے

(آئینہ کمالاتِ اسلام)

یا نبی اللہ فدائے ہر سر موئے توام ٭ وقف راہِ تو کنم گر جاں دہندم صد ہزار

اے نبی اللہ میں تیرے بال بال پر فدا ہوں۔ اگر مجھے ایک لاکھ جانیں بھی ملیں تو تیری راہ میں اُن سب کو قربان کر دوں۔

یا نبی اللہ نثار روئے محبوب توام ٭ وقف راہت کردہ ام این سر کہ بر دوش است بار

اے نبی اللہ میں تیرے مکھڑے پر نثار ہوں۔ میں نے اس سر کو جو کندھوں پر بار ہے تیری راہ میں وقف کر دیا ہے۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام)

کلام الامام امام الکلام

ایک سوال اور اُس کا جواب

حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیّہ فرماتے ہیں :-

" اگر مجھ سے سوال کیا جائے کہ تم نے کیونکر پہچانا اور یقین کیا کہ وہ کلمات جو تمہاری زبان پر جاری کئے جاتے ہیں۔ وہ خدا کا کلام ہے ....

فرمایا :-

" اوّل جو کلام مجھ پر نازل ہوتا ہے اس کے ساتھ ایک شوکت اور لذّت اور تاثیر ہے۔ وہ ایک فولادی میخ کی طرح میرے دل کے اندر دھنس جاتا ہے۔ اور تاریکی کو دُور کرتا ہے۔ اور اس کے ورود سے مجھے ایک نہایت لطیف لذّت آتی ہے۔ کاش اگر مَیں قادر ہوسکتا تو مَیں اس کو بیان کرتا۔ مگر روحانی لذّتیں ہوں خواہ جسمانی اُن کی کیفیّات کا پورا نقشہ کھینچ کر دکھانا انسانی طاقت سے بڑھ کر ہے۔ ایک شخص ایک محبوب کو دیکھتا ہے اور اس کی ملاحتِ حُسن سے لذّت اٹھاتا ہے۔ مگر وہ بیان نہیں کرسکتا کہ وہ لذّت کیا چیز ہے۔ اسی طرح وہ خدا جو تمام ہستیوں کا علّت العلل ہے۔ جیسا کہ اس کا دیدار اعلیٰ درجہ کی لذّات کا سرچشمہ ہے۔ ایسا ہی اس کی گفتار بھی لذّات کا سرچشمہ ہے۔ اگر ایک کلام انسان سُنے یعنی ایک آواز اس کے دل پر پہنچے اور اُس کی زبان پر جاری ہو اور اس کو شُبہ باقی رہ جاوے کہ شاید یہ شیطانی آواز ہے یا حدیث النفس ہے تو درحقیقت وہ شیطانی آواز ہوگی یا حدیث النفس ہوگی۔ کیونکہ خدا کا کلام جس قوّت اور برکت اور روشنی اور تاثیر اور لذّت اور خدا کی طاقت اور چمکتے ہوئے چہرہ کے ساتھ دل پر نازل ہوتا ہے خود یقین دلا دیتا ہے کہ مَیں خدا کی طرف سے ہوں اور ہرگز مُردہ آوازوں سے مشابہت نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کے اندر ایک جان ہوتی ہے۔ اور اس کے اندر ایک طاقت ہوتی ہے اور اس کے اندر ایک کشش ہوتی ہے اور اوس کے اندر یقین بخشنے کی ایک خاصیّت ہوتی ہے۔ اور اس کے اندر ایک لذّت ہوتی ہے۔ اور اُس کے اندر ایک روشنی ہوتی ہے اور اس کے اندر ایک خارق عادت تجلّی ہوتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ذرّہ ذرّہ وجود پر تصرّف کرنے والے ملائک ہوتے ہیں اور علاوہ اس کے اس کے ساتھ خدا کی صفات کے اور بہت سے خوارق ہوتے ہیں "

(نزول المسیح صفحہ ۸۵، ۸۶)

سیرت خیر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم

"آپؐ تبلیغ کے میدان میں"

(یہ مقالہ مکرم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منیر نے اجتماع انصار اللہ منعقدہ ۱۹۸۲ء میں پیش کیا)

بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (المائدہ آیت ۶۸)

ہر طرف آواز دینا ہے ہمارا کام آج ٭ جس کی فطرت نیک ہے آئے گا وہ انجام کار

پیارے بھائیو! حق تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں دینِ حق سے نوازا اور پھر اپنے رسولِ حق صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اسوۂ حسنہ قائم فرما کر ہمارے لئے ہدایت کی راہیں آسان فرما دیں۔ ہاں وہی رسول حق جن کو دُنیا کی سب سے اہم کتاب CUYCLOPEDIE BRITANICA میں "MOST SUCCESSFUL OF ALL PROPHETS OF RLLIGIONS PERSOWLITIES" ۔ یعنی "سب نبیوں اور مذہبی شخصیتوں میں سے کامیاب ترین قرار دیا گیا ہے"۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ اندھیرے کے وقت میں ظاہر ہُوا اور دُنیا کو اپنی روشنی سے روشن کر گیا۔ وہ نہ تھکا نہ ماندہ ہُوا جب تک کہ عرب کے تمام حصّہ کو شرک سے پاک نہ کر دیا۔ (چشمہ معرفت ص۲۸۹)

اس حقیقت کی صداقت پر ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ نے بھی گواہی دی، جب حجۃ الوداع کے دن آپؐ نے اُن کو مخاطب کر کے پوچھا تھا:

" اے لوگو قیامت کے دن خدا تم سے پوچھے گا کیا میں نے خدا کا پیغام تم تک پہنچا دیا؟ سب نے بیک آواز کہا ہاں رسولِ خدا آپ نے پہنچا دیا۔ تب آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار دُہرایا اے خدا گواہ رہنا میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا"۔
(مُسلم کتاب الحج)

اس حال پر زبان پر بے اختیار جاری ہوتا ہے کہ۔

محمدؐ ہی نام اور محمدؐ ہی کام ٭ علیكَ الصّلوٰۃ علیكَ السّلام

رشتہ داروں کو تبلیغ

آپؐ نے تبلیغ کے اس عظیم الشّان کام کی ابتدا خدا تعالیٰ کا حکم " بلّغ ما انزل الیك " کہ تجھ پر جو آسمانی پیغام نازل ہُوا ہے اسے دوسروں تک پہنچاتا چلا جا، سُنتے ہی اپنے گھر سے کی۔ آپ کی وفا شعار بیوی آپ کا پیغام سُنتے ہی آپ کے ساتھ ہو گئی۔ پھر دوستوں میں سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت زیدؓ اوّل المسلمین بنے۔ اپنے خاندان اور حلقۂ احباب میں انفرادی تبلیغ کی کامیابی کے بعد آپؐ نے اجتماعی تبلیغ کی

خاطر اپنے قریش بھائیوں کو کوہ صفا کے دامن میں جمع کیا۔ اور نبیوں کے عام دستور کے مطابق ایک محل شناس لیکچرار کی طرح رُوح القدس سے قوت پاکر ایسی تقریر فرمائی کہ سب حاضرین نے آپؐ کے صدق کی گواہی دی۔ مگر جب اپنے بتوں کو چھوڑ کر ایک خدا کو ماننے کی بات سُنی تو وہ اَن سُنی کر دی۔ لیکن سب نے نہیں حضرت علیؓ جو بعد میں سیف من سیوف اللہ کہلائے انہی میں سے تھے جو اس وقت آپ کی تبلیغ کا شکار ہوئے تھے۔ گویا اس طرح آپؐ نے وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ کے حکم پر انفرادی اور اجتماعی طور پر عمل کر دکھایا۔

خدمتِ خلق اور تبلیغ

ہمارے دل وجان سے پیارے آقا کی تبلیغ کا دوسرا دور اَمَّا بِنِعْمَتِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کہ "اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں دوسروں کو بھی شامل کرو" کے مطابق عوام الناس میں اشاعت اسلام کا ہے۔ جو انفرادی طور پر بھی جاری رہا اور حضرت عقیلؓ دوسی۔ حضرت بلالؓ بن رباح۔ حضرت عثمانؓ بن عفان۔ حضرت امیر حمزہؓ۔ حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت یاسرؓ آپ کے ابتدائی فدائیین میں شامل ہوئے تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپؐ نے ایک بڑھیا کا بوجھ اُٹھا لیا جو اس سے اٹھایا نہ جاتا تھا۔ راستہ میں اس بڑھیا نے آپؐ کو نصیحت شروع کر دی کہ بیٹا یہاں ایک شخص رہتا ہے جو لوگوں پر جادُو کر دیتا ہے۔ دیکھنا تم اس سے ہوشیار رہنا اور اس سے بچ کر رہنا۔ اس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماں جس کی تم بات کر رہی ہو وہ تو میں ہی ہوں۔ آپؐ کی بات سُن کر اُس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور کہا۔ ہیں۔ وہ انسان یہی ہے۔ یہ تو بہت اچھے اخلاق کا مالک ہے۔ اس جیسا عظیم انسان جادُوگر نہیں ہو سکتا۔ اور اسی وقت وہ مسلمان ہوگئی۔ سچ تو یہ ہے۔ ؎

آں ترحمہا کہ خلق از وے بدید ٭ کس ندیدہ درجہاں از مادرے

تبلیغ میں انہماک

مکہ معظمہ میں دار ارقم کو آپؐ نے اپنا دار التبلیغ بنایا ہُوا تھا۔ جہاں حضرت عمر بھی جو آپ کو مارنے کے لئے آرہے ہیں آپؐ کی تبلیغ کا شکار ہو گئے۔ اس دوسرے دَور میں آپؐ نے حکم خداوندی " لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا " کے مطابق اہل مکہ کے علاوہ خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے باہر سے آنے والوں میں بھی انفرادی اور اجتماعی تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ کبھی آپ عکاظ کے میلہ میں شامل ہوتے والوں کو خدا کی باتیں سُناتے نظر آتے ہیں تو کبھی خانہ کعبہ کے نزدیک عوام کے ہجوم میں آپؐ قرآن سُناتے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی زمانہ میں ایک دن جب آپؐ کعبہ کے پاس نماز پڑھتے ہوئے حالت سجدہ میں تھے تو اشقی الناس عقبہ بن ابی معیط نے اونٹ کی بچہ دانی سارے گند کے ساتھ آپ کے اوپر رکھ دی تھی۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ کے یک رنگ اور صاف باطن اور خدا کے لئے جانباز اور خلقت کے بیم و امید سے بالکل مُنہ پھیرنے والے اور محض خدا پر توکل کرنے والے تھے۔ کہ جنہوں نے خدا کی خواہش اور مرضی میں محو اور فنا ہو کر اس بات کی کچھ پروا نہ کی کہ توحید کی منادی کرنے سے کیا کیا بلا میرے سر پر آوے گی اور مشرکوں کے ہاتھ سے کیا کچھ دُکھ

اور درد اٹھانا ہوگا۔" (براہین احمدیہ صفحہ ۱۱۹-۱۲۰)

آپؐ کی اسی حالت کا نقشہ قرآنی الفاظ میں یوں ملتا ہے :-

" لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ "

اس کی تفسیر آپ کے روحانی فرزند کے اس شعر میں پڑھیئے :- ؎

بدل دردیکہ دارم از برائے طالبانِ حق ؎ نمے گردد بیاں آں درد از تقریر کوتاہم

راہ تبلیغ میں مشکلات پر صبر واستقامت

پیارے بھائیو ! یہ ایک حقیقت ہے کہ سب نبیوں سے افضل ہمارے نبی، پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو دنیا کے مربّی اعظم کہلائے۔ اس لئے کہ انہوں نے توحید گم گشتہ اور ناپدید کو پھر سے زمین میں قائم کر دکھایا۔ اس راہ میں کسی لالچ کی ذرّہ بھر بھی پرواہ نہ کی بلکہ فاستقم کما امرت کے حکم کی تعمیل میں آگے ہی آگے چلتے چلے گئے۔

مشہور واقعہ ہے کہ سردارانِ مکّہ نے آپ کے چچا ابوطالب کے ذریعہ آپؐ کے لئے لالچ کا ایک جال بچھایا۔ انہوں نے پیشکش کی اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) توحید کی منادی ترک کر دیں اور ہمارے بُتوں کے خلاف کچھ نہ کہیں تو ہم ان کو اپنا سردار مان لیں گے۔ ان کے لئے مال و دولت کے ڈھیر لگا دیں گے۔ مکّہ کی خوبصورت ترین دوشیزہ ان کے نکاح میں لے آئیں گے۔ لیکن آپ نے اس ساری پیشکش کو بڑی حقارت سے ٹھکرا دیا۔ پھر مشرکین مکّہ دھمکی پر اُتر آئے اور حضرت ابوطالب سے کہا کہ آپ اپنے بھتیجے محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی حمایت سے باز آجائیں۔ ان کے اور ہمارے درمیان حائل نہ ہوں ہم ان سے نپٹ لیں گے۔ لیکن آپؐ نے کسی دھمکی کی بھی پرواہ نہ کی اور اپنے پیارے چچا سے کہا آپ بے شک درمیان سے ہٹ جائیں۔ پھر دیکھیں خدا کیا کرتا ہے خدا کی قسم زمینی دولتیں تو کیا اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر رکھ دیں اور چاند کو بائیں ہاتھ پر تب بھی مَیں اس حق سے دست بردار نہیں ہوں گا جس کی اشاعت کے لئے میں مامور کیا گیا ہوں۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۲۹۹)

تاریخ شاہد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی تیرہ سالہ زندگی جو مکّہ میں گزری اس میں جس قدر مصائب اور مشکلات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر آئیں ہم تو ان کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ دِل کانپ اٹھتا ہے جب ان کا تصوّر کرتے ہیں۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عالی حوصلگی، فراخ دلی، استقلال اور عزم واستقامت کا پتہ چلتا ہے۔ کیسا کوہ وقار انسان ہے کہ مشکلات کے پہاڑ ٹوٹے پڑتے ہیں مگر اس کو ذرا بھی جنبش نہیں دے سکتے۔ وہ اپنے منصب کے ادا کرنے میں ایک لمحہ سُست اور غمگین نہیں ہوتا وہ مشکلات اس کے ارادے کو تبدیل نہیں کر سکیں۔ (ملفوظات جلد ۲ صفحہ ۳۰۷)

؎ دعوت ہر ہرزہ گو کچھ خدمت آساں نہیں ؎ ہر قدم میں کوہِ ماراں ہر گزر میں دشتِ خار

تبلیغی وفود انفرادی اور اجتماعی تبلیغ کے بعد اُمّ القریٰ (مکّہ) کے ماحول میں تبلیغی وفود کے ذریعہ آپؐ نے آسمانی پیغام پہنچایا۔

سب سے پہلے تبلیغی و فد میں دو مسلمان شامل تھے۔ ایک آپؐ خود اور دوسرے آپؐ کے غلام۔ مکّہ والوں نے جب آپ کی مخالفت میں انتہا کر دی تو آپؐ نے سوچا شائد باہر کے لوگ سعادت کا نمونہ پیش کریں اور حق کو قبول کرنے میں سبقت دکھائیں۔ اس ارادہ سے آپؐ مکّہ کے قریب طائف کی بستی میں تشریف لے گئے۔ جو چشموں سے سیراب ہونے والی سرسبز و شاداب اور کھاتے پیتے خوشحال لوگوں کی بستی تھی۔ آپ وہاں پہنچ کر قبیلہ ثقیف کے سردار عبد یالیل سے ملے۔ اور اس کی وساطت سے اہل طائف کے سامنے اپنی بعثت کی اغراض پیش کیں لیکن آپ کی باتوں کی طرف توجہ دینے کی بجائے انہوں نے آپ سے بُرا سلوک کیا سخت کلامی سے پیش آئے۔ ایک نے کہا اللہ تعالیٰ نے تجھے ہی رسول بنا کر بھیجنا تھا جسے مکّہ والے بھی کوئی وقعت نہیں دیتے۔ کیا اللہ تعالیٰ کو مکّہ میں کوئی اور قابل آدمی نہیں ملا جس کا مکّہ والے احترام کرتے اور اس کی باتوں کی طرف دھیان دیتے۔ آخر آپ اِن لوگوں سے مایوس ہو کر واپس آنے لگے تو انہوں نے چھوٹی عمر کے بچّوں اور شہر کے اوباشوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا جو گالیاں دیتے اور آوازے کستے آپؐ کے پیچھے پیچھے ہولئے اور آپ پر پتھراؤ شروع کر دیا جس سے آپ لہولہان ہو گئے۔ خون ایڑیوں تک آپہنچا لیکن آپ صبر و استقلال کے ساتھ چلتے چلے آئے اور آخر ایک باغ میں پناہ لی اور انگوروں کی ایک بیل کی آڑ میں بیٹھ گئے بستی سے کافی دُور نکل آئے تھے۔ لڑکے اور اوباش واپس جا چکے تھے۔ باغ کے مالک نے جب آپ کو زخموں سے نڈھال دیکھا اور صورت حال کا اس کو علم ہُوا تو اُس نے انگوروں کا ایک خوشہ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ ایک کمزور مظلوم زبان تو استعمال کر سکتا ہے: ظالم کو بُرا بھلا تو کہہ سکتا ہے لیکن ایسی نازک صورت حال اور شدید مصیبت کی گھڑیوں میں بھی نہ آپؐ آپے سے باہر ہوئے، نہ کوئی سخت لفظ منہ سے نکالا، نہ طائف والوں کو بددُعا دی بلکہ کہا تو یہ کہا:۔

"اے میرے اللہ! میں اپنی کمزوری کا تیرے حضور اعتراف کرتا ہوں۔ میرے پاس کوئی حیلہ اور ذریعہ اپنے کام کو انجام تک پہنچانے کا نہیں۔ لوگ مجھے کمزور ترین فرد سمجھتے ہیں۔ اے سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے تو ہی کمزوروں کا مالک و مددگار ہے۔ اگر تو مجھ پر ناراض نہ ہو تو مجھے کسی اور کی دشمنی مخالفت اور ظلم کی پرواہ نہیں۔ پس تیری رضا چاہیئے"۔

وتواصوا بالحق وتواصوا بالصّبر کے الٰہی ارشاد کی تعمیل کی یہ کیسی روشن مثال ہے۔ کیا ایسے صبر کی تاریخ عالم میں کوئی اور مثال ملتی ہے۔

دشمن اسلام سر ولیم میور کو بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے سفر طائف میں عظمت و شجاعت کا رنگ نمایاں طور پر نظر آتا ہے نیز وہ لکھتا ہے کہ

"اس واقعہ سے یقیناً اس بات پر بہت روشنی پڑتی ہے کہ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کو اپنے صدق دعویٰ پر کس درجہ ایمان تھا۔" (بحوالہ سیرت خاتم النبیین ۱۸۴/۱)

NO MAN WAS EVER MORE THOROUGHLY FILLED WITH THE SENSE OF HIS MISSION OR CARRIED OUT THAT MISSION MORE HEROICALLY (STUDIES IN MOSQUE BY STANELY

LANE POOLE.)

سچ تو یہ ہے ؎ محمدؐ ہی نام اور محمدؐ ہی کام ۔ علیك الصلوٰة علیك السّلام

تبلیغی وفود کو ہدایات

ان تبلیغی وفود کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ساری زندگی چلتا رہا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو تبلیغ کے لئے روانہ فرماتے ہوئے آپؐ نے کیسی پیاری اور بنیادی ہدایت فرمائی

یَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا ۔ (بخاری) کہ تبلیغ کے ذریعہ لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرو نہ کہ تکلیف کا باعث بنو اور لوگوں کو خوشخبریاں سناؤ نہ کہ لوگوں کو نفرت والی باتیں بتاؤ۔

اور ان وفود کو حکم ربّانی " وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا " کے مطابق قرآن مجید کی تعلیم سنانے کا خاص ارشاد تھا۔ اسی قرآن کو سن کر حضرت عمرؓ کا پتھر دل موم ہوا تھا۔ اور حبشہ کا بادشاہ نجاشی سورۃ مریم سن کر رو پڑا تھا اور کہا خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل ایک ہی چشمہ سے ہیں۔

اصحاب الصفّہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے مکین تھے۔ ان کی تعلیم و تربیّت اسی نکتہ نگاہ سے کی جاتی تھی۔ انہی میں سے سترؓ قاری ایک تبلیغی وفد میں گئے تھے جن کو بئر معونہ کے مقام پر دشمنوں نے دھوکے سے ختم کر دیا تھا۔ انہی حالات کا تجزیہ آپؐ کے روحانی فرزند حضرت اقدس نے یوں قلم بند فرمایا ہے :۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے جب اللہ تعالیٰ کے اذن اور اَمر سے تبلیغ شروع کی تو پہلے ہی آپ کو یہ مرحلہ پیش آیا کہ قوم نے انکار کیا..... مصائب کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ آئے دن قتل کے منصوبے ہونے لگے اور یہ زمانہ اتنا لمبا ہوگیا کہ تیرہ سال تک برابر چلا گیا۔ تیرہ برس کا زمانہ کم نہیں ہوتا۔ اس عرصہ میں جس قدر آپؐ نے دُکھ اٹھائے ان کا بیان بھی آسان نہیں ہے۔ قوم کی طرف سے تکالیف اور ایذا رسانی میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی جاتی تھی اور ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر اور استقلال کی ہدایت ہوتی تھی۔ اور بار بار حکم ہوتا تھا کہ جس طرح پہلے نبیوں نے صبر کیا ہے تو بھی صبر کر (فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کمال صبر کے ساتھ ان تکالیف کو برداشت کرتے تھے اور تبلیغ میں سست نہ ہوتے تھے بلکہ قدم آگے ہی بڑھاتا تھا۔" (ملفوظات صفحہ ۱۹۸)

پھیلائیں گے صداقتِ اسلام کچھ بھی ہو ؛ جائیں گے ہم جہاں بھی کہ جانا پڑے ہمیں
محسُود کرکے چھوڑیں گے ہم حق کو آشکار ؛ روئے زمیں کو خواہ ہلانا پڑے ہمیں

تبلیغی خطوط اللہ تعالیٰ کے حکم " اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ " پر ہمارے آقا

صلی اللہ علیہ وسلّم نے زبانی تبلیغ کے علاوہ خطوط کے ذریعہ بھی عمل فرمایا۔ اور اس وقت کی معلوم دُنیا کے عظیم بادشاہوں کو بھی دعوتِ اسلام خاص اہتمام سے بھجوائی۔ حکمت کے سبھی اصولوں کو مدّنظر رکھا۔ ان خطوط کے لئے ایک خاص مُہر "محمّد رسُول اللہ" نقش کروا کر بنوائی۔ مقوقس شاہِ مصر کے نام جو خط لکھا تھا وہ اَب تک محفوظ چلا آرہا ہے۔ مقوقس نے جواب میں تحائف بھجوائے۔ قیصر شاہ روم نے خط پاکر مزید تحقیق کے لئے خاص دربار منعقد کیا جس میں ابوسفیان کوئی جھوٹ نہ بول سکا۔ اور ہرقل شاہ روم نے خواہش کی کہ کاش وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس ہوتا اور حضورؐ کے پاؤں دھوتا۔

انہی میں سے ایک بدبخت کسریٰ خسرو پرویز شاہ ایران تھا جس نے آپؐ کا خط ملنے پر اسے پھاڑ دیا تو خدا نے اس کی سلطنت بھی پاش پاش کر دی۔ اور وہ اپنے بیٹے کے ہاتھوں ہی مارا گیا۔ منذر بن مساوی گورنر بحرین کو خط میں اپنا معرکۃ الآراء فیصلہ لکھا:-

"مَنْ صَلّٰى صَلٰوتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا فَاِنَّهٗ مُسْلِمٌ لَهٗ مَا لِلْمُسْلِمِيْنَ وَعَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ"

زائرین کو تبلیغ

ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلّم کی یہ عادت تھی کہ آپؐ ہر موقعہ سے فائدہ اٹھاتے اور تبلیغ کے حق کو ادا فرماتے۔ زیارتِ کعبہ کے لئے جو وفود زائرین کے آتے ان سے موقعہ و محل اور حکمت کو مدّنظر رکھتے ہوئے ملتے کبھی رات کو چُھپ کر اور کبھی دور باہر جا کر اس طرح عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ کے موقعہ پر اہلِ مدینہ کو بیعت کرنے کا موقعہ ملا اور اپنی وفاداری کا ایسا نمونہ ان لوگوں نے دکھایا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ جیسی بڑی نعمت اُن کے سپرد کر دی اور یہ انصار نبی کہلائے۔

نصیبین کے جنّ بھی وفد کی شکل میں قرآن مجید سُننے آئے۔ نجران کے عیسائی آئے اور مسجد نبویؐ میں ان کو عبادت کرنے کی بھی اجازت دی گئی۔ آہستہ آہستہ زائرین کے ان وفود کی اتنی کثرت ہوگئی تھی کہ اس سال کو عام الوفود کا نام دیا جاتا ہے۔ اسی زمانہ میں ان کی مہمان نوازی کے لئے دارالضیافت کے انچارج حضرت بلالؓ تھے۔ اور جب رہائش کی دقت محسوس ہوتی تو بعض صحابیات کے مکانوں میں اس دارالضیافت کو وسیع کر لیا جاتا تھا۔

سوال و جواب کی مجلس

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "کہ علم ایک خزانہ ہے اور سوال کرنا اس کی چابی ہے" چنانچہ مسجد نبویؐ میں ایک بہت بڑی مجلس مذاکرہ کا تذکرہ بخاری میں ملتا ہے۔ جس میں حضرت جبرائیلؑ بنفسِ نفیس پہنچے اور بعض سوالات پوچھے جن کے جواب حضورؐ نے دیئے اور اس طرح سوال و جواب کے ذریعہ لوگوں کو دین کی باتیں سکھائیں۔ پھر آپ نے اپنے نیک نمونہ سے لوگوں کے دلوں کو جیتا جس کی شاندار مثال فتح مکّہ کے وقت آپؐ کا عام معافی کا اعلان ہے کہ آپ کے خونی دشمن جیسے ہندہ اور عکرمہ بھی لاالٰہ الا اللہ محمدٌ

رَّسول اللہ پڑھنے پر مجبور ہو گئے۔

دُعا، کامیاب ترین حربہ

مگر تبلیغ کے ان سب ذریعوں میں جان ڈالنے والا سب سے اہم ذریعہ آپ کا دُعا تھا جس کا شکار حضرت عمر جیسا جری آدمی ہُوا۔ جس سے ابوجہل بھی نہ بچ سکا گو وہ خود تو آگے نہ آیا مگر اس کا بیٹا عکرمہ مسلمان ہو گیا۔ ابوہریرہؓ کی والدہ جو کسی صورت میں اپنے بیٹے کے ساتھ نعمتِ اسلام میں شریک ہونے کے لئے تیار نہ تھیں حضورؐ کی دُعا نے ہی ان کی کایا یک لخت ہی پلٹ دی تھی۔ آپ کی اس اعجازی قوّت کا ذکر آپؐ کے رُوحانی فرزند جلیل نے یوں فرمایا ہے :۔

"وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان سے الٰہی معارف جاری ہوئے اور دُنیا میں ایک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہُوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دُعائیں ہی تھیں جنہوں نے دُنیا میں شور مچا دیا۔ اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس اُمّی بے کس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔" (برکات الدُعا)

اور پھر آپ خود بھی غلبۂ اسلام کی خاطر یہ صدا لگاتے ہیں :۔

اے مرے پیارے خدا ہو تجھ پہ ہر ذرّہ مرا ؛ پھیر دے میری طرف اے سارباں جگ کی مہار
اِن دلوں کو خود بدل دے اے مرے قادر خدا ؛ تُو تو ربّ العالمین ہے اور سب کا شہریار

مجالسِ انصار اللہ توجہ فرمائیں

حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ فرماتے ہیں :۔

"ابنائے جنس اور مخلوقِ خدا کی ہمدردی ایک ایسی شے ہے جو ایمان کا دوسرا جزو ہے۔ جس کے بدوں ایمان کامل اور راسخ نہیں ہوتا۔ جب تک انسان ایثار نہ کرے دوسرے کو نفع کیونکر پہنچا سکتا ہے۔ دوسرے کی نفع رسانی اور ہمدردی کے لئے ایثار ضروری شے ہے اور اس آیت میں لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ میں اسی ایثار کی تعلیم اور ہدایت فرمائی گئی ہے۔"

قائد ایثار ——— مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ

اَحمد بن حنبلؒ ___ پر جب کوڑے برسائے گئے

(ایڈیٹر)

میمون بن اصبع کہتے ہیں۔ میں بغداد میں تھا۔ میں نے کچھ شور سُنا۔ میں نے پوچھا یہ کیا شور ہے؟ لوگوں نے کہا احمد بن حنبل کو تختۂ مشق بنایا جا رہا ہے۔ میں اُس طرف گیا۔ میں نے دیکھا کہ جب آپ پر کوڑا برستا۔ آپ کہتے بسم اللہ۔ پھر کوڑا پڑتا تو کہتے لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہ سب قوتیں خدا کے لئے ہی ہیں۔ پھر کوڑا پڑا تو انہوں نے کہا قرآن خدا کا کلام ہے اور غیر مخلوق یعنی قدیم ہے، حادث نہیں۔ یہ ایک مسئلہ ہے۔ جس پر ابتداء میں بہت ہنگامے برپا ہوئے اور علمائے حق کو اذیت دی گئی۔ جب چوتھا کوڑا اُن پر پڑا تو انہوں نے قرآن کی یہ آیت پڑھی لَنْ يُّصِيْبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا۔ جو مقدر ہے وہ مِل کر رہے گا۔

میمون بن اصبع کہتے ہیں کہ اُن کو انتیس ۲۹ کوڑے مارے گئے اور اس بُری طرح کوڑے برسائے گئے کہ اُن کا ازار بند جو کپڑے کا تھا ٹوٹ گیا۔ پاجامہ نیچے گرنے لگا تو حضرت امام احمد بن حنبل نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اُن کے ہونٹ ہلتے ہوئے مجھے دکھائی دیئے۔ میں نے دیکھا کہ پاجامہ پھر اپنی جگہ آگیا۔ اس واقعہ کے سات دن کے بعد میری اُن سے ملاقات ہوئی تو مَیں نے کہا۔ مَیں نے آپ کے ہونٹ ہلتے دیکھے تھے آپ نے اس وقت کیا کیا تھا۔ امام احمد بن حنبل نے کہا مَیں نے خدا سے دُعا کی تھی۔ اے اللہ تیری اس ذات کا واسطہ جس کی بدولت عرش قائم ہے۔ اگر تو جانتا ہے کہ مَیں حق پر ہوں تو میری پردہ دری نہ کر۔

سوانح امام صاحب

امام احمد بن حنبل فقہ حنبلی کے بانی ہیں۔ احمد نام تھا۔ ابو عبداللہ کنیت۔ ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ بستر ۷۷ سال کی عمر میں ۲۴۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ فقہ۔ حدیث۔ زہد۔ تقویٰ، پرہیز گاری، عبادت میں یکتائے زمانہ تھے۔ بغداد میں تحصیل علم کے بعد کوفہ، بصرہ، مکّہ۔ مدینہ۔ یمن اور شام میں گھوم پھر کر حدیث کا علم حاصل کیا۔ امام شافعی بھی آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ امام بخاری۔ امام مسلم نے آپ سے روایات لیں۔ آپ عظیم مجتہد تھے۔

امام شافعی کہتے ہیں بغداد میں ان سے زیادہ متقی اور دینی علوم کا عالم اور فقیہ میں نے نہیں دیکھا۔

اسحٰق بن راہویہ کہتے ہیں احمد بن حنبل زمین پر اللہ اور بندوں کے درمیان محبت تھے۔

ابو داؤد کہتے ہیں امام احمد بن حنبل کی مجلس میں آخرت کا ہی ذکر ہوتا۔ دُنیا کا ذکر کبھی نہ ہوتا۔

امام احمد کے استغنا کا یہ حال تھا کہ محمد بن موسیٰ کہتے ہیں حسن بن عبدالعزیز کو ورثہ میں مصر سے ایک ہزار درہم موصول ہوئے۔ انہوں نے اس میں سے احمد بن حنبل کو تین تھیلیاں بھجوائیں اور پیغام بھجوایا کہ یہ حلال کی میراث ہے آپ اسے قبول فرمالیں اور اپنے

اہل وعیال پر اسے خرچ کریں۔ امام احمد بن حنبل نے جواب دیا کہ مجھے ضرورت نہیں۔ اور تینوں تھیلیاں واپس کر دیں۔
وہ اکثر یہ دُعا کیا کرتے تھے۔ اے اللہ! جس طرح تو نے میرے چہرہ کو غیر اللہ کے لئے سجدہ سے بچائے رکھا، اسی طرح میرے چہرہ کو اپنے غیر سے سوال کرنے سے بھی بچائیو۔

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَاد

ہے یہ ربِّ جلیل کا ارشاد
اس کے بندوں سے تم نہ رکھو عناد

اور وہ فرعون جس کو مولا نے
اپنے قرآن میں کہا ذی الاوتاد

دل میں اس کے بھرا تھا کبر و غرور
سَر میں سودائے جور و استبداد

سَرکشی، ظلم و کبر و استہزا
اور کیا کیا کئے ستم ایجاد

کبر و نخوت کی رہ پہ چلتا رہا
اور بڑھتا گیا جہاں میں فساد

اس خدائے بزرگ و برتر نے
اپنے بندوں کی پھر سُنی فریاد

قہرِ ذلّت نے اس کو گھیر لیا
اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَاد

گوشِ دل سے سنو اے اہلِ جہاں
یہ ہے انجامِ ظُلم کی رُو داد

وہ سریع الحساب ہے نادرؔ
اس کی پرسش سے کون ہے آزاد

(محمد اسمٰعیل نادرؔ قریشی راولپنڈی چھاؤنی)

تربیّتِ اولاد کے بارہ میں حضرت اقدس کے ارشادات

(یہ مقالہ محترم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب نے اجتماع انصاراللہ منعقدہ ۱۹۸۲ء میں پیش کیا۔)

حضرت اقدس نے تربیّتِ اولاد کے سلسلے میں ہمیں بہت واضح، اہم اور بنیادی ہدایات سے نوازا ہے۔ اور اپنے نمونے اور عمل سے ہماری راہ نمائی فرمائی ہے۔

اس سلسلے میں حضور نے ایک بنیادی بات یہ بیان فرمائی ہے کہ اولاد کی اچھی تربیّت کے لئے کوشش اور جدوجہد اولاد کی پیدائش سے قبل شروع ہونی چاہیئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

"انسان کو سوچنا چاہیئے کہ اسے اولاد کی خواہش کیوں ہوتی ہے؟ کیوں کہ اس کو محض طبعی خواہش تک محدود نہ کر دینا چاہیئے کہ جیسے پیاس لگتی ہے یا بھوک لگتی ہے ...... جب تک اولاد کی خواہش محض اس غرض کے لئے نہ ہو کہ وہ دیندار اور متقی ہو اور خدا تعالیٰ کی فرمانبردار ہو کر اس کے دین کی خادم بنے۔ بالکل فضول بلکہ ایک قسم کی معصیّت اور گناہ ہے اور باقیات صالحات کی بجائے اس کا نام باقیات سیّئات رکھنا جائز ہوگا۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں صالح اور خدا ترس اور خادم دین اولاد کی خواہش کرتا ہوں تو اس کا یہ کہنا بھی نرا ایک دعویٰ ہی دعویٰ ہوگا۔ جب تک کہ وہ خود اپنی حالت میں ایک اصلاح نہ کرے۔ اگر خود فسق و فجور کی زندگی بسر کرتا ہے اور مُنہ سے کہتا ہے کہ میں صالح اور متقی اولاد کی خواہش کرتا ہوں تو وہ اپنے اس دعویٰ میں کذّاب ہے۔ صالح اور متقی اولاد کی خواہش سے پہلے ضروری ہے کہ وہ خود اپنی اصلاح کرے اور اپنی زندگی کو متقیانہ زندگی بناوے تب اس کی ایسی خواہش ایک نتیجہ خیز خواہش ہوگی۔ اور ایسی اولاد حقیقت میں اس قابل ہوگی کہ اس کو باقیات صالحات کا مصداق کہیں۔"

(ملفوظات جلد دوم صـ۳۷۰ تا ۳۷۱)

دوسری بنیادی بات جو حضور کے طریقِ تربیّت میں نمایاں نظر آتی ہے اور جس کی طرف آپ نے بار بار ہمیں توجہ دلائی ہے وہ یہ ہے کہ والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ باقاعدگی اور التزام کے ساتھ اپنے بچّوں کے لئے دُعا کرتے رہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

"میری اپنی تو یہ حالت ہے کہ میری کوئی نماز ایسی نہیں جس میں میں اپنے دوستوں اور اولاد اور بیوی کے لئے دُعا نہیں کرتا۔"

پھر فرماتے ہیں :-

"والدین کی دُعا کو بچّوں کے حق میں خاص قبول بخشا گیا ہے۔ میں التزاماً چند دُعائیں ہر روز مانگا کرتا ہوں۔ اوّل

اپنے نفس کے لئے دُعا مانگتا ہوں کہ خداوند کریم مجھ سے وہ کام لے جس سے اس کی عزّت اور جلال ظاہر ہو اور اپنی رضا کی پُوری توفیق عطا کرے۔ دوّم پھر اپنے گھر کے لوگوں کے لئے دُعا مانگتا ہوں کہ ان سے قرۃ عین عطا ہو اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات کی راہ پر چلیں۔ سوّم پھر اپنے بچّوں کے لئے دُعا مانگتا ہوں کہ یہ سب دین کے خدام بنیں"۔

تیسری بنیادی بات جو حضرت اقدس نے بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ بچّوں کی تربیّت کے لئے بچپن سے ہی مناسب اقدام کرنے چاہئیں۔ بچپن کے زمانہ میں اولاد کی تربیّت کا خیال رکھنے کے سلسلے میں فرماتے ہیں :-

"دینی علوم کی تحصیل کے لئے طفولیّت کا زمانہ بہت ہی مناسب اور موزوں ہے۔ جب داڑھی نکل آئی تب ضَرَبَ یَضْرِبُ یاد کرنے بیٹھے تو کیا خاک ہوگا۔ طفولیت کا حافظہ تیز ہوتا ہے۔ انسانی عمر کے کسی دوسرے حصّے میں ایسا حافظہ کبھی بھی نہیں ہوتا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ طفولیّت کی بعض باتیں تو اب تک یاد ہیں لیکن پندرہ برس پہلے کی اکثر باتیں یاد نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی عمر میں علم کے نقوش ایسے طور پر اپنی جگہ کر لیتے ہیں اور قویٰ کے نشوونما کی عمر ہونے کے باعث ایسے دلنشین ہو جاتے ہیں کہ پھر ضائع نہیں ہو سکتے"۔

نیز فرمایا :- "تعلیمی طریق میں اس اَمر کا لحاظ اور خاص توجہ چاہئیے کہ دینی تعلیم ابتدا سے ہی ہو اور میری ابتدا سے یہی خواہش رہی ہے اور اَب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پُورا کرے .... اگر مسلمان پورے طور پر اپنے بچّوں کی تعلیم کی طرف توجہ نہ کریں گے تو میری بات سُن رکھیں کہ ایک وقت اُن کے ہاتھ سے بچّے بھی جاتے رہیں گے"۔

اس سلسلہ میں حضور اقدس کے عملی نمونہ کی ایک جھلک ہمیں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی ایک روایت میں ملتی ہے۔ آپ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بچپن کے زمانہ میں آپ نے اپنے ساتھ کھیلنے والے لڑکے کو مرزا نظام دین صاحب کے مکان کی طرف اشارہ کرکے بتایا :- "دیکھو وہ نظام دین کا مکان ہے"۔

اس پر حضور نے حضرت میاں صاحب کو فوراً ٹوک دیا اور فرمایا :-

"میاں آخر وہ تمہارا چچا ہے۔ اس طرح نام نہیں لیا کرتے"۔

یاد رہے کہ مرزا نظام دین صاحب حضور کے چچا زاد بھائی تھے۔ لیکن دعویٰ کے بعد سے جانی دشمن ہو گئے تھے۔ اور حضور کو تنگ کرنے اور تکلیف پہنچانے میں ہمہ وقت کوشاں رہتے تھے۔

چوتھی بنیادی بات جو حضور اقدس نے تربیّتِ اولاد کے ضمن میں بیان فرمائی ہے اور جس پر آپ نے خاص زور دیا ہے وہ یہ ہے کہ بچّوں کی تربیّت کرتے وقت ہمیشہ بچّے کی خودداری اور عزّتِ نفس کا خیال رکھا جائے اور کوئی ایسا طریق کار اختیار نہ کیا جائے جس سے بچّے کی عزّتِ نفس مجروح ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

"اسلام چونکہ انسان کی کامل تربیّت چاہتا ہے اور اس کی ساری قوتوں کا نشوونما اس کا مقصد ہے۔ اس لئے اس نے جائز نہیں رکھا کہ وہ طریق اختیار کیا جائے جو انسان کی بے حُرمتی کرنے والا اور خدا تعالیٰ کی توہین کرنے والا ٹھہر

جاوے۔"

اس ضمن میں آپ نے بچوں پر بے جا سختی اور مارنے پیٹنے کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک دوست نے اپنے بچے کو مارا۔ جب حضور کو علم ہوا تو آپ نے انہیں بلایا اور نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:۔

"میرے نزدیک بچوں کو یوں مارنا شرک میں داخل ہے۔ گویا بدمزاج مارنے والا ہدایت اور ربوبیت میں اپنے تئیں حصہ دار بنانا چاہتا ہے......... ایک جوش والا آدمی جب کسی بات پر سزا دیتا ہے تو اشتعال میں بڑھتے بڑھتے ایک دشمن کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور جرم کی حد سے سزا میں کوسوں تجاوز کر جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص خود دار اور اپنے نفس کی باگ کو قابو سے نہ دینے والا اور پورا متحمل اور بردبار اور باسکون اور باوقار ہو تو اسے البتہ حق پہنچتا ہے کہ کسی وقتِ مناسب پر کسی حد تک بچے کو سزا دے یا چشم نمائی کرے۔ مگر مغلوب الغضب اور سُبک سر اور طائش العقل ہرگز سزاوار نہیں کہ بچوں کی تربیت کا متکفل ہو۔ جس طرح اور جس قدر سزا دینے میں کوشش کی جاتی ہے کاش دعا میں لگ جائیں اور بچوں کے لئے دعا کرنے کو ایک حزب مقرر کر لیں۔ اس لئے کہ والدین کی دعا کو بچوں کے حق میں خاص قبول بخشا گیا۔"

بعض والدین ذرا ذرا سی غلطی پر بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے رہتے ہیں اور اصلاح کے نام پر بات بات پر بچوں کو روک ٹوک کرتے رہتے ہیں۔ یہ طریق بھی بچوں کی عزتِ نفس کو مجروح کرنے والا اور اُن کی خود داری کو ٹھیس پہنچانے والا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت اقدس فرماتے ہیں:۔

"ہدایت اور تربیتِ حقیقی خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ سخت پیچھا کرنا اور ایک امر پر اصرار کو حد سے گذار دینا یعنی بات بات پر بچوں کو روکنا اور ٹوکنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ گویا ہم ہدایت کے مالک ہیں اور ہم اس کو اپنی مرضی کے مطابق ایک راہ پر لے آئیں گے۔ یہ ایک قسم کا شرکِ خفی ہے۔ اس سے ہماری جماعت کو پرہیز کرنا چاہیئے۔"

بچوں کی غلطیوں پر حضور کا اپنا رویہ کیا ہوتا تھا۔ اس پر اس واقعہ سے روشنی پڑتی ہے:۔

ایک بار حضرت مصلح موعود جبکہ ان کی عمر چار برس کی تھی بہت سے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ اسی اثناء میں انہوں نے حضور اقدس کے ایک نہایت اہم اور ضروری مسودے کو دیا سلائی دکھا دی۔ مسودہ جل کر راکھ ہو گیا۔ حضور ابھی مضمون لکھ رہے تھے۔ لکھتے لکھتے پچھلا مضمون دیکھنے کی ضرورت پڑی۔ تو مضمون کی تلاش ہوئی۔ لوگ پریشان تھے کہ اب کیا ہوگا اور ایک ناگوار نظارے کے متوقع تھے۔ لیکن جب حضور کو معلوم ہوا کہ مسودہ جل چکا ہے تو مسکرا کر فرمایا:۔

"خوب ہوا اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی بڑی مصلحت ہوگی اور اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس سے بہتر مضمون ہمیں سمجھائے۔"

بچوں میں بار بار سوال کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ بسا اوقات جب ماں یا باپ کسی کام میں مصروف ہوں اور بچہ بار بار آ کر اُن

کو تنگ کرے تو عام طور پر والدین چڑ کر بچّوں کو ڈانٹنے لگ جاتے ہیں۔ اس طرح کے واقعات حضور کو بھی پیش آتے تھے۔ لیکن حضور کبھی بچّوں کو اس بات پر ڈانٹتے نہ تھے۔ ایسا بھی ہُوا کہ حضور تنہائی میں کسی اہم کتاب کے لکھنے میں مصروف ہیں اور عادت کے مطابق دروازہ بند کیا ہُوا ہے اور ایک بچّے نے آکر دستک دی "ابّا بوا کھول" حضور نے اُٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ بچّے نے کمرہ کے اندر آکر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر باہر جاکر کھیل میں مشغول ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر اُسے کمرے میں جانے کا خیال آیا اور پھر اُس نے آواز دی "ابّا بوا کھول" حضور پھر لکھتے لکھتے اُٹھتے ہیں مسکرا کر بچّے کی بات سُنتے ہیں اور اسے ڈانٹ ڈپٹ کرنا تو کُجا یہ بھی نہیں کہتے کہ اس وقت میں ایک ضروری کام کر رہا ہوں مجھے تنگ نہ کرو۔

ہر بچّہ کبھی نہ کبھی ضد میں آجاتا ہے۔ ایسے موقع پر والدین تحمّل سے کام لینے کی بجائے مار پیٹ کرتے ہیں اور اگر وہ روئے تو اسے زبردستی چُپ کرانا چاہتے ہیں۔ اور جب بچّہ چُپ نہیں کرتا تو بے تحاشا مار پیٹ کر کے اپنا غصّہ نکالتے ہیں۔ حضور کا نمونہ ایسے مواقع پر ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔

لدھیانے کا واقعہ ہے حضرت مُصلح موعود تین برس کے تھے۔ آدھی رات کے وقت کسی بات پر رونے لگے اور روتے چلے گئے۔ حضور گود میں لے کر بہلاتے رہے۔ لیکن بچّہ چُپ ہونے میں نہیں آتا۔ توجہ کو پھیرنے کے لئے حضور نے فرمایا:۔

"دیکھو محمود وہ کیسا تارا ہے"

بچّہ ذرا چُپ ہُوا اور پھر اور بھی زور شور سے رونے اور چلّانے لگا۔ "ابّا تارے جانا"

اور حضور اپنے آپ سے فرما رہے تھے:۔

"یہ اچّھا ہُوا ہم نے تو ایک راہ نکالی تھی اس نے اس میں بھی اپنی ضد کی راہ نکال لی"

آخر بچّہ تھک کر خاموش ہوگیا لیکن اس تمام عرصہ میں ایک دفعہ بھی حضور نے بچّے کو ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔

والدین اس بات کی بہت خواہش رکھتے ہیں کہ وہ بہت امیر ہوں۔ بڑے بڑے دنیاوی عہدوں پر پہنچیں اور صاحبِ اقتدار اور صاحبِ ثروت بنیں۔ حضور اپنے بچّوں کے لئے کیا خواہش رکھتے تھے؟ فرماتے ہیں:۔

"مجھے اپنی اولاد کے متعلّق کبھی خواہش نہیں ہوئی کہ وہ بڑے بڑے دنیا دار بنیں اور اعلیٰ عہدوں پر پہنچ کر مامور ہوں"....

"قرآن شریف نے بیان فرمایا ہے رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۔ یعنی خدا تعالیٰ ہم کو ہماری بیویوں اور بچّوں سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرماوے اور یہ تب میسّر آسکتی ہے کہ وہ فسق و فجور کی زندگی بسر نہ کرتے ہوں بلکہ عباد الرحمان کی زندگی بسر کرنے والے ہوں اور خدا کو ہر شے پر مقدّم کرنے والے ہوں۔ اور آگے کھول کر کہہ دیا۔ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۔ اولاد اگر نیک اور متقی ہو تو یہ اِن کا بھی امام ہوگا۔"

پھر فرماتے ہیں :-

"بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ اولاد کیلئے کوئی مال چھوڑنا چاہیئے۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ مال چھوڑنے کا تو ان کو خیال آتا ہے مگر یہ خیال نہیں آتا کہ اولاد صالح ہو، طالح نہ ہو۔"

پھر فرمایا:- "اگر اولاد صالح ہو تو پھر کس بات کی پروا ہوسکتی ہے۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ آپ صالحین کا متولّی اور متکفّل ہوتا ہے۔ اگر (اولاد) بدبخت ہے تو خواہ لاکھوں روپیہ اس کے لئے چھوڑ جاؤ وہ بدکاریوں میں تباہ کر کے پھر قلّاش ہو جائے گی۔ اور ان مصائب اور مشکلات میں پڑے گی جو اس کے لئے لازمی ہیں۔"

پھر فرمایا:- "حضرت داؤد علیہ السّلام کا قول ہے "میں بچہ تھا جوان ہؤا، اب بوڑھا ہوگیا۔ میں نے متقی کو کبھی ایسی حالت میں نہیں دیکھا کہ اُسے رزق کی مار ہو اور نہ اس کی اولاد کو ٹکڑے مانگتے دیکھا۔" اللہ تعالیٰ تو کئی پُشت تک رعایت کرتا ہے۔ پس خود نیک بنو اور اپنی اولاد کے لئے ایک عُمدہ نمونہ نیکی اور تقویٰ کا ہو جاؤ اور اس کو متقی اور دیندار بنانے کے لئے سعی اور دُعا کرو۔ جس قدر کوشش تم اُن کے لئے مال جمع کرنے کی کرتے ہو اُسی قدر کوشش اس اَمر میں کرو۔"

بعض والدین اپنے بچّوں کے ساتھ اس قدر شدید محبّت رکھتے ہیں کہ اولاد اُن کے لئے ابتلاء کا باعث بن جاتی ہے۔ اس سلسلے میں حضور فرماتے ہیں :-

"اولاد کو مہمان سمجھنا چاہیئے۔ اُس کی خاطرداری کرنی چاہیئے۔ اُس کی دلجوئی کرنی چاہیئے۔ مگر خدا تعالیٰ پر کسی کو مقدّم نہیں کرنا چاہیئے۔ اولاد کیا بنا سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی رضامندی ضروری ہے۔"

پھر فرماتے ہیں :-

"ہم نے تو اپنی اولاد وغیرہ کا پہلے ہی سے فیصلہ کیا ہؤا ہے کہ یہ سب خدا تعالیٰ کا مال ہے۔ اور ہمارا اس سے کوئی تعلّق نہیں اور ہم بھی خدا تعالیٰ کا مال ہیں۔"

خدا تعالیٰ ہمیں حضور کی نصائح پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرماوے اور ہمیں ہمّت اور طاقت بخشے کہ ہم حضور کی منشاء کے مطابق اپنے بچّوں کی صحیح اسلامی خطوط پر تربیّت کر سکیں اور ہمارے بچّے ہم سے بڑھ کر دین کی خدمت کرنے والے اور خدا کی رضا کو حاصل کرنے والوں میں سے ہوں۔ آمین۔

"یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسا انتظام ہے جو یقین تک پہنچاتا ہے۔ سو مجھے چھوڑو تا میں صاف صاف کہہ دُوں کہ وہ انتظام ابتداء دُنیا سے آج تک ایک ہی چلا آیا ہے۔ یعنی خدا کا قول جس کی تائید اور تصدیق اس کا خارق عادت فضل کرتا ہے۔"　　　(نزول المسیح ص۱۱۳)

حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحبؓ

مرسلہ مکرم روشن الدین صاحب گولبازار ربوہ

حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب مرحوم (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو) درویش طبع آدمی تھے۔ ہجرت کے بعد کچھ عرصہ کے لئے آپ نے چک ۳۶۔۳۷ متصل اوکاڑہ میں رہائش رکھی۔

اس عرصہ میں حکم تھا کہ میں تازہ سبزی لے کر پہنچاؤں۔ مگر حضرت میاں صاحب کی طرف سے ہمیشہ یہ تاکید ہوتی کہ سستی سبزی لے کر ارسال کرنا جس کی تعمیل کا خاکسار کو موقعہ ملتا رہتا۔ اسی دوران ایک لطیفہ ہوا۔ میں نے ایک دن اپنے ماشکی کو ساری خریدی ہوئی سبزی دی کہ وہ چک میں دے آوے۔ مگر اس کو نام بھول گیا اور کسی سے پوچھا کہ میاں روشن الدین کا آنا جانا جن سے ہے اُن کو دینی ہے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ وہاں ایک حاجی روشن الدین زرگر اوکاڑہ کے تعلقات اور آنا جانا اسی چک میں پاکپتن کے صاحبزادہ صاحب سے تھا چنانچہ وہ سبزی اور بوری ان کے گھر دے کر آیا اور انہوں نے کہا کہ اس بوری میں شکر ڈال کر ارسال کریں گے۔ دوسرے دن جب میاں صاحب ملے اور سبزی نہ بھجوانے کی بات کی تو میں نے بتایا کہ یہ واقعہ ہوا ہے۔ آپ نے کہا شکر ہے سبزی کھالیتے تو کیا ہوتا اور آپ شکر کھالیتے تو کیا حالت ہوتی۔

جب بھی گھر سے خرچ کا مطالبہ ہوتا تو آپ بڑے آرام سے اپنے زمین کے ٹھیکہ دار کو کہتے۔

آپ کی فرض شناسی کا یہ حال تھا کہ ایک دن میرے دو بچے عزیزم منوّر احمد سعید اور لطیف احمد انور جو اس وقت غالباً چھٹی اور آٹھویں جماعت کے طالب علم تھے چک میں چلے گئے۔ مگر حضرت میاں صاحب سمجھ گئے کہ یہ بچے والدین کی اجازت کے بغیر آئے ہیں۔ اُن کے لباس وغیرہ سے اندازہ کر لیا۔ مگر بچوں کو کچھ نہ کہا اور اپنا نوکر بھیج کر ہمیں اطلاع دے دی کہ بچے یہاں آگئے ہیں فکر نہ کریں صبح بھجوا دوں گا۔ چنانچہ صبح تانگہ پر معہ گنے لڑکوں کو بھجوا دیا۔

آپ کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ خط کا جواب فوراً دیتے اور جس معاملہ میں راہنمائی طلب کی جاتی بہت پیار اور تفصیل سے آپ اُس بارہ میں مشورہ دیتے۔

”مجھ سے پہلے کون صادق ضائع ہوا جو میں ضائع ہو جاؤں گا۔ کس سچے وفادار کو خدا نے ذلّت کے ساتھ ہلاک کر دیا جو مجھے ہلاک کرے گا .... مجھے وہ ہمّت اور صدق بخشا گیا ہے جس کے آگے پہاڑ ہیچ ہیں۔“

(انوار الاسلام ص۲۳ روحانی خزائن)

کہاں ہیں حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی بہنیں؟

اور

کہاں ہیں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بھائی؟

سیدنا حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بصرہ العزیز اپنے خطبہ عیدالاضحیہ ۲؍اپریل ۱۹۶۶ء میں فرماتے ہیں :-

"اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کی رفعت، اسلام کی ترقی اور غلبہ کا پھر دوبارہ سامان پیدا کیا ہے۔ یعنی جماعت احمدیہ کے قیام اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی بعثت کے ذریعہ اسلام کے لئے ترقی کے سامان پیدا ہو گئے ہیں۔ اس لئے ہر احمدی کو وقف کا وہی نمونہ دکھانا چاہیئے جو آج سے چودہ سو سال پہلے صحابہ کرامؓ نے دکھایا تھا۔ اس وقت بھی اسلام کے مخالفوں اور دشمنوں کی چھری ہماری گردنوں کی تلاش میں ہے۔ اس لئے میں پوچھتا ہوں کہ کہاں ہیں وہ واقف گردنیں جو برضا و رغبت اپنے آپ کو اس چھری کے نیچے رکھ دیں؛ اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو حاصل کریں؟؟

آج وقف کی روح پھر پوری شدت کے ساتھ ہماری جماعت کے اندر زندہ ہونی چاہیئے کیونکہ دُنیا پیاسی ہے اور اس کی پیاس سوائے احمدیت کے کوئی اور نہیں بجھا سکتا۔ جب تک ہمارے پاس کافی تعداد میں واقفین موجود نہ ہوں اس وقت تک ہم یہ کام نہیں کر سکتے۔ اس لئے میں پھر پوچھتا ہوں کہ کہاں ہیں حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی بہنیں جو اپنے بچوں کو خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کریں اور کہاں ہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے وہ بھائی جو دُنیا کو چھوڑ کر اور دُنیا کی لذت، آرام اور عیش سے مُنہ موڑ کر خدا تعالیٰ کی طرف آئیں اور اس کی خاطر بیابانوں میں اپنی زندگیاں گزارنے کے لئے اپنے آپ کو پیش کریں؛ ؛ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا نمونہ تو قائم ہی اس لئے کیا گیا تھا تا امتِ مسلمہ اس سے سبق حاصل کرے اور سبق حاصل کرنے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کے اس منشاء، ارادہ اور فیصلہ کو پورا کرنے والی ہو جس منشاء، ارادہ اور فیصلہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے دین اور اپنی توحید کو دُنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ کام ہو نہیں سکتا جب تک وہ وقف کی روح ہمارے اندر زندہ نہ رہے۔" (الفضل ۴؍مئی ۱۹۶۶ء)

جو احباب اپنے بچوں کو اور جو نوجوان اپنے آپ کو وقف کے لئے پیش کرنا چاہیں وکالت دیوان تحریک جدید کو اطلاع دیں۔

وکیل الدیوان تحریک جدید ربوہ

سلسلہ کے ایک فدائی

میر محمد خلیل الرحمن صاحب سیوہاروی مرحوم

(مکرم اقبال احمد صاحب نجم شاہد مبلغ قرطبہ سپین)

آپ نے دینی علوم و تصوف اور روحانی مجاہدات سے شغف اپنے خاندان سے ورثہ میں پایا تھا۔ آپ کے ایک بھتیجے مولانا حفظ الرحمن صاحب سوہاروی علماءِ ہند میں شمار ہوتے ہیں۔ جوانی آپ کی علومِ دینیہ کے حصول، روحانی مجاہدات اور چلّہ کشی اور مراقبات میں کٹی۔ اپنے علاقہ کے بڑے پیر مانے جاتے تھے۔ اہل کشف و رؤیا بزرگ ہونے کی وجہ سے مرجع خلائق تھے۔ آپ کی قبولِ احمدیت کی کہانی بڑی دلچسپ اور ایمان افروز ہے۔ آپ نے کئی بار یہ روئداد مجھے سُنائی۔ انہوں نے مجھے بتلایا کہ جتنے بھی رُوحانی مجاہدات اور چلّے کرتا طبیعت میں بے چینی زیادہ محسوس ہوتی اور صاحبِ طریقت کی جستجو بڑھتی رہی۔ آخر اس رُوحانی تشنگی کو مٹانے کے لئے مطالعہ تفسیر قرآن میں زیادہ وقت صرف کرنے لگا۔ تفسیر حقّانی کا مطالعہ کر رہا تھا۔ ایک رات آنکھ لگی تو جناب حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کی زیارت نصیب ہوئی اور آپؐ کی اقتدا میں نمازِ فجر ادا کرنے کی توفیق پائی۔ اور اسی طرح دوسرے تیسرے اور چوتھے روز بھی مختلف بزرگوں کی اقتداء میں نماز فجر ادا کی۔ طبیعت میں بے چینی بڑھ گئی اور دُعا کی طرف طبیعت مائل ہوئی۔ بعد کے بزرگوں سے روشناسی نہ تھی۔ لہٰذا سوچ میں پڑ گیا کہ کیا میرا کوئی ایک صاحبِ طریقت بزرگ نہ ہوگا۔ یونہی پراگندگی کا شکار ہو جاؤں گا؟ موسم گرما کے ایّام تھے۔ دوسری منزل پر بعد ادائیگی نماز تہجّد کشفی حالت طاری ہوئی اور محسوس کیا کہ زینے کا دروازہ بج رہا ہے۔ مَیں نے اوپر آ جانے کا اذن دیا تو دیکھتا ہوں کہ ایک فرشتہ ہرکارے کے لباس میں موجود ہے۔ جب پوچھا کیا بات ہے تو کہنے لگا کہ "پیر جی آپ کا تار آیا ہے"۔ آپ نے کہا کہ مجھے انگریزی نہیں آتی پڑھ کر سناؤ۔ تب اس نے پڑھ کر سُنایا کہ لکھا ہے "ایٹ ونس امرتسر پہنچو"۔ کشفی حالت جاتی رہی زینے کی کنڈی ویسے ہی لگی ہوئی تھی۔ فکر میں ڈوب گیا اور سوال حل نہ ہُوا کہ امرتسر کا مطلب کیا ہے۔ آخر نماز فجر میں دُعا کی کہ "یا باری تعالیٰ کیا وہاں جا کر سکھ ہو جاؤں"۔ تب سجدہ کی حالت میں تفہیم ہوئی۔ "امرت سر کا مطلب ہے زندگی کا چشمہ۔ ہم نے امرت سر کے سر پر زندگی کا چشمہ جاری کیا ہُوا ہے وہاں چلے جاؤ"۔ تب آپ کے دل میں قادیان کا خیال آیا کیونکہ آپ کے ایک دُور کے عزیز حضرت منشی رحیم الدین صاحب دیر سے احمدی ہو چکے تھے جن کا نام تین سو تیرہ کی فہرست میں ہے۔ فوراً آپ قادیان کے لئے روانہ ہو گئے۔ اسٹیشن پر حضرت میر محمّد اسحٰق صاحب سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ باہمی تعارف ہُوا۔ وہ آپ کو اپنے گھر لے گئے۔ دن بھر سلسلہ کے مسائل سے واقفیت حاصل کی۔ شام کو اجازت لے کر حضرت منشی رحیم الدین صاحب کی بیٹی رشیدہ بانو صاحبہ اہلیہ حکیم حشمت اللہ خانصاحب ابن حضرت نعمت اللہ خانصاحب انور کے ہاں دارالعلوم قادیان میں تشریف لے گئے۔ آپ احمدیت کے مخالف تھے۔ آپ کی قادیان میں آمد ایک معجزہ سے کم نہ تھی۔ سب کے لئے بہت حیرانی اور باعث خوشی ہوئی۔ آپ کو جس بیٹھک میں ٹھہرایا گیا اس میں حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ اور قدرتِ ثانیہ کے پہلے مظہر حضرت مولانا نورالدین اور حضرت مصلح موعود کے فوٹو لگے ہوئے تھے۔ مسئلہ حل ہو گیا۔ یہی وہ بزرگ تھے جن کی

اقتدا میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علی الترتیب نمازِ فجر آپ نے رؤیا میں ادا کی تھی۔ علی الصبح نمازِ فجر کے لئے تیاری کی اور مسجد مبارک میں چلے گئے۔ پہلی صف میں دائیں سے ساتویں تھے۔ حضرت مصلح موعود تشریف لاتے اور آپ نے نماز پڑھائی اور وہی حصے تلاوت کئے جو کہ رؤیا میں کئے تھے۔ آپ کی رؤیا بعینہٖ پوری ہوگئی۔ آپ نے اُسی وقت بیعت کرلی۔ اور وطن واپس چلے گئے۔ آپ کی قبولِ احمدیت کا چرچا ہُوا کیونکہ آپ نے پیری مریدی کا سلسلہ ترک کردیا۔ بیرونی آمدنی ختم ہوگئی۔ والد صاحب نے آپ کو سمجھایا لیکن جب آپ کو پختہ پایا تو عاق کردیا۔ آپ کے خاندان کے علماء نے اکٹھے ہوکر آپ کی تینوں ازواج کے نکاح فسخ ہوجانے کا اعلان کردیا۔ ان سب کو بھی دنیاوی مال دے کر انہوں نے رخصت کردیا۔ بقول آپ کے تمام گھر خالی ہوگیا۔ مگر سینہ و دل روشن ہوگیا۔ دنیاوی طور پر کنگال ہوگیا۔ مگر رُوحانی طور پر وہ دُرِّ بے بہا مل گیا جس کی قیمت کا اندازہ وہ نہیں لگا سکتے تھے۔ آخر گھر چھوڑ دیا اور محکمہ انہار میں ملازمت کرلی۔ پنجاب میں آگئے۔ قادیان تقریباً ہر ہفتے آنے لگے۔ حضرت حکیم مولانا نورالدین کی امامت کا ابتدائی دَور تھا۔ رفقاء حضرت اقدس کی مجالس علیحدہ جمتی تھیں۔ عجیب روحانی کیف پرور ماحول ہوتا تھا۔ جتنی بار زیادہ آتے اتنی ہی تشنگی اور بڑھتی جاتی۔ آپ اکیلے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قادیان میں ہی آپ کے عقد کا انتظام فرمادیا۔ آپ کی نیکی۔ تقویٰ۔ طہارت اور بے مثال قربانی کو دیکھتے ہوئے اور باوجودیکہ پہلی تین بیویوں سے آپ کے اولاد نہ ہوئی تھی اور عمر میں بھی ۲۰ سال بڑے تھے حضرت حکیم حشمت اللہ خانصاحب نے اپنی بیٹی مسعودہ بانو صاحبہ کا رشتہ آپ کو دے دیا۔ سب گواہ ہیں کہ آپ کی ازدواجی زندگی مثال تھی اور گھر میں جنت کا ماحول رہا۔ دونوں میں بے پناہ موانست ہوگئی تھی اور غیروں کے لئے تو یہ ایک حیران کُن بات تھی۔ لیکن جہاں رشتے نیکی اور تقویٰ کی بنا پر کئے جائیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو فوقیت دی جائے وہاں کیوں ایسا نہ ہو! کاش تمام احباب آج بھی اس بات کا خیال رکھا کریں۔

تلاوت کلامِ پاک۔ مطالعہ کُتب وملفوظات حضرت اقدس اور مطالعہ تفسیر کبیر۔ صوم وصلوٰۃ۔ تہجد۔ ذکرِ الٰہی اور جماعتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا آپ کے محبوب مشاغل تھے۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان میں آکر بھیرہ میں قیام کیا۔ محکمہ اراضی میں بطور پٹواری ملازم ہوگئے۔ آپ کے رشوت لینے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ افسرانِ بالا بہت مجبور کرتے۔ لیکن آپ اپنے مسلک پر سختی سے قائم رہے۔ چنانچہ اسی قسم کے اختلاف اور مناقشت کی وجہ سے ملازمت سے فارغ کردیئے گئے۔

اُن دنوں پٹواریوں کی پنشن بھی نہیں ہوتی تھی۔ گھر آکر خبر سُنائی تو سب کو افسوس ہُوا۔ آپ کو بالکل ملال نہیں تھا۔ بڑے توکّل کے ساتھ کہا کہ "اللہ تعالیٰ رازق ہے خود انتظام فرمائے گا"۔ بظاہر کوئی صورت نہیں تھی۔ گھر میں خُسر اور خوش دامنہ بھی ساتھ رہتی تھیں۔ مہمان نواز بھی بلا کے تھے۔ آنے جانے والوں کا وسیع سلسلہ تھا۔ اخراجات تو تھے مگر آمد منقطع ہوچکی تھی۔ مگر خدا کا کرنا کیا ہُوا کہ چند دن بعد ہی قریبی میانی میں زنانہ سکول کے اجراء کی پیشکش آپ کی اہلیہ صاحبہ کو ہوگئی۔ یہ سکول ۱۹۴۷ء سے بند پڑا تھا۔ انہوں نے جاکر سکول کھول دیا اور ۱۹۷۵ء یعنی اپنی وفات تک اسے چلایا۔ یہ فوراً ہی منظور ہوگیا اور اب میٹرک تک ہے۔ پھر آپ بھیرہ سے میانی منتقل ہوگئے۔ جب بھیرہ میں رہے تب بھی چندوں اور جماعتی کاموں میں پیش پیش رہے۔ جب حضرت مصلح موعود بھیرہ تشریف لے گئے تو آپ بھی جماعت بھیرہ میں پیش پیش تھے۔ لیکن جب میانی آئے تو کلیتہً جماعتی کاموں کے لئے وقف ہوگئے۔ میانی گھوگھیاٹ کی جماعت کہ جو اس وقت ایک جماعت تھی (جبکہ اب دو علیحدہ علیحدہ جماعتیں

ہیں) ۱۹۷۳ء یعنی وقتِ وفات تک ۲۲ سال مسلسل سیکرٹری مال رہے۔ ہمیشہ بجٹ پورا کیا۔ سندات خوشنودی مرکز سے حاصل کیں۔ موصی تھے۔ آمدنی تو رہی نہیں تھی مگر چندہ دینے کے لئے اور ثواب حاصل کرنے کیلئے واقف پٹواریوں سے کھتونیاں معمولی اجرت پر لے آتے اور اس طرح سے کچھ نہ کچھ ضرور چندہ ادا کرتے رہے۔ گھر میں جب تنخواہ آتی تو سب سے پہلے گھر کی رسید کاٹتے پھر باہر دوسروں سے وصولیاں کرتے۔ ہر چندہ کی تحریک میں حصّہ لیتے۔ ارضیات کے ماہر تھے۔ بروقت صحیح اندازہ لگا کر بجٹ بناتے اور بروقت وصولیاں کرتے۔ دیکھتے ہی دیکھتے چھوٹی جماعت کا بجٹ اور وصولی بڑی بڑی جماعتوں کے برابر ہوگئی اور آپ کا ہر ماہ رقم کثیر مرکز میں بھجوانا مخالفوں کو بھی کھٹکتا تھا۔ ۱۹۵۳ء میں جب مخالفت ہوئی تو سب سے پہلے آپ کو ہدف بنانے کا پروگرام بنا اور برملا پبلک میں اس بات اظہار کیا گیا۔ لیکن دو سال کے قلیل عرصہ میں ہی آپ نے اپنے نیک نمونہ اور خدمت خلق سے اپنے اور غیروں کے دل موہ لئے تھے۔ جب علاقہ کے تھانے دار صاحب کو اس پروگرام کے متعلق علم ہوا تو سپیشل پہرہ آپ کی حفاظت کے لئے لگا دیا۔ لیکن آپ کو اس کا کوئی خیال نہ تھا۔ آپ کے کام معمول کے مطابق جاری رہے۔ آپ کا تعلق توکّل اور مولا کی ذات پر بھروسہ بہت قوی تھا۔ اُن دنوں مَیں نے دیکھا کہ ساری ساری رات سجدہ میں پڑے رہتے اور سجدہ گاہ آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ سے تسلّی پاتے تو سب کو تسلّی دیتے کہ ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ جمعہ کی نماز گھوگھیاٹ میں ہوتی تھی۔ آپ اپنے خسر حکیم حشمت اللہ خانصاحب کے ہمراہ باقاعدہ جاتے رہے۔ مَیں بچہ تھا۔ مجھے چھوڑ جاتے اور ہم تیسری منزل سے اس راہ پر نظریں جمائے آپ دونوں کی واپسی کا انتظار کرتے اور دُعائیں کرتے رہتے تھے۔ کئی بار مخالفت کی آندھیاں اُٹھیں اور بیٹھ گئیں۔ میری تو رات کو جب بھی آنکھ کھلتی آپ کو نوافل ذکرِ الٰہی اور وظائف میں مصروف پاتا۔ عشاء کی نماز کے بعد دیر تک درود شریف وغیرہ کا ورد کیا کرتے تھے۔

جن دنوں آپ کی ملازمت چھُٹ گئی تھی یہ تجویز بھی کسی نے پیش کی کہ ہندوستان کی جائیداد کے بدلے یہاں الاٹمنٹ کرائی جائے۔ مگر آپ نے سختی سے اس کی مخالفت کی اور کلیم نہیں داخل کروایا۔ کہتے تھے وہ پیری مریدی کے پیسے سے بنی تھی، والد صاحب کے نام تھی، انہوں نے عاق کر دیا۔ اَب بھائی کے پاس ہے۔ میرے ایسا کرنے سے اُسے بھی وہاں پر تکلیف ہوگی اور نصف جائیداد سے اُسے وہاں دستبردار ہونا پڑے گا۔ مَیں کسی کی تکلیف کا باعث نہیں بننا چاہتا ویسے بھی اب میرا اُس پر کوئی حق نہیں۔ چنانچہ آپ نے قناعت کا اعلیٰ نمونہ دکھایا۔ گھر میں محدود اور تھوڑی سی آمدنی میں وہ برکت مَیں نے دیکھی کہ بڑی بڑی آمدنیوں والوں کے گھر میں نہیں دیکھی۔ عجیب رُوحانی گھر کا ماحول ہوتا تھا۔ گھر میں ہر وقت قرآن کریم پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ مجھ سے کئی بار تلاوت سُنتے اور مخارج حروف درست کراتے۔ دُعا گو تھے۔ جب کوئی امر پیش ہوتا پہلے دُعا کرتے پھر اسباب اختیار کرتے۔ گھر میں کبھی کوئی بیمار ہوا فوراً سجدہ میں گر جاتے۔ کئی بار دیکھا کبھی مَیں بیمار ہوتا تو ان کی دُعا سے ہی شفا ہو جاتی۔ رشتہ میں وہ میرے خالو تھے۔ میری امّی جان مرحوم نے خالہ جان مرحومہ کی تنہائی کے خیال سے مجھے بچپن سے ہی آپ کے ہاں چھوڑ دیا تھا۔ مجھ سے آپ کو بڑی محبّت تھی۔ میری ذرا سی تکلیف گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ مَیں نے انہیں بارہا گریہ زاری سے اپنے لئے دُعا کرتے دیکھا۔ مجھ سے جدائی بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن تعلیمی ضروریات کے پیشِ نظر جب ربوہ میں آکر دسویں جماعت میں داخل ہُوا اور لمبا عرصہ علیحدہ رہنا پڑا تو اُن دنوں بھی میری تربیّت کا بڑا خیال رکھا۔ کاش سب والدین اسی طرح اپنی اولاد کا خیال رکھا کریں۔ اور اُن کے لئے دُعائیں کیا کریں۔ اکثر مجھے اچھے دوست بنانے اور لاحولَ ولاقوّۃَ اِلّا بِاللّٰہِ العَلِیّ العظیم پڑھتے رہنے کی تاکید کیا کرتے اور کہتے کہ یہ پڑھتے رہنے سے

شیطان حملہ آور نہیں ہوتا۔ اور فرشتوں کی حفاظت حاصل رہتی ہے۔ یہ آپ کی دُعائیں ہی تھیں کہ مجھے ہمیشہ اچھے دوست میّسر رہے۔ الحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک۔

وفات تک باقاعدہ تمام جلسوں، مشاورت اور اجتماعات میں شامل ہوئے۔ تمام وقت پروگرام سُنتے اور جب حضرت مصلح موعود کی ملاقات کے لئے جاتے تو مجھے ضرور ساتھ لے جاتے اور خاص طور پر درخواست کر کے دُعا کرواتے۔ جب مَیں نے بی اے کر کے وقف کرنے کیلئے اپنا خیال ظاہر کیا تو اُن کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ پھر تو آپ کا سلوک بھی دوچند محسوس ہونے لگا۔ عیدوں اور رخصتوں میں جاتا تو یوں سلوک فرماتے جیسے کوئی خاص مہمان آیا ہے۔ طرح طرح کے اہتمام کرتے۔ میرے دوستوں مثلاً مکرم عطاء المجیب صاحب راشد حال مبلغ جاپان۔ مکرم منیرالدین صاحب عبیداللہ حال کینیڈا۔ مکرم مرزا نصیر احمد صاحب حال پروفیسر جامعہ احمدیہ ربوہ اور اسی طرح بہت سے میرے دوسرے عزیز دوستوں سے ملتے تو ان کا بھی بڑا احترام کرتے۔ اور کبھی مَیں ان میں سے کسی کو ساتھ لے جاتا تو بڑی مسرت کا اظہار کرتے اور عین راحت محسوس کرتے اور بڑھ چڑھ کر اہتمام کرتے۔

مخاطب کے لئے "جنابِ من" کا لفظ استعمال کرتے تھے جو "جنا من" بوجہ کثرتِ استعمال اور سُرعتِ استعمال کے رہ جاتا تھا۔ کثرت سے مہمانوں کو گھر میں لاتے اور کہا کرتے کہ مہمانوں کی آمد سے رزق میں ترقی ہوتی ہے اور گھر میں برکت آتی ہے۔

حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی کے ساتھ آپ کا خاص پیار تھا۔ ربوہ میں آتے تو اُسی مسجد میں نمازوں کے لئے جاتے جہاں آپ ہوتے اور دونوں کی ملاقات کا بھی عجیب سماں ہوتا تھا۔ حضرت مولانا آپ کی ریش پر دونوں ہاتھ پھیرتے اور خوب اچھی طرح ملتے۔ سچ ہے

کند ہم جنس باہم جنس پرواز ؎

مجھے بھی اسی وجہ سے زیادہ توجہ ہوئی۔ آپ نے مجھے کئی دفعہ بتایا کہ آپ کا روحانی مقام "قطب" کا ہے۔ چنانچہ میرے لئے بھی بکثرت اُن سے دعائیں کرائیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو روحانی مقام شناسی کا ملکہ دیا تھا۔ ایک بار اجتماع انصاراللہ سے موجودہ حضرت صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی تقریر سُن کر آئے تو گھر میں کہنے لگے ایسا معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو عظیم رُوحانی مقام دینے والا ہے۔ بچپنے کی وجہ سے یہ بات مجھے اس وقت تو سمجھ نہ آئی جب آپ امام جماعت ہوئے تو پتہ چلا کہ آپ کا کیا مطلب تھا۔ ۱۹۷۰ء میں جب جامعہ احمدیہ سے فارغ التحصیل ہوا تو مَیں نے اپنے لئے خاص دُعا کی درخواست کی تو شدّتِ جذبات سے رو پڑے اور مجھے تسلّی دی کہ مَیں بہت دُعائیں کرتا ہوں۔ "مولا کریم انشاءاللہ تمہیں ضائع نہیں کرے گا۔"

۱۹۷۳ء میں آپ میرے سپین پہلی بار آنے سے آٹھ ماہ قبل انتقال فرما گئے اور مقبرہ بہشتی ربوہ میں دفن ہوئے اِنّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کل کی ہی بات ہو۔ آپ کے جانے سے دعائیں کرنے والے ایک نادر وجُود کی کمی ہو گئی۔ احباب کرام سے اُن کے درجات کی بلندی کے لئے اور اپنے لئے بڑھ چڑھ کر مقبول خدمتِ دین کی توفیق پاتے چلے جانے کی درخواست دُعا ہے۔

اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمدٍ وعلیٰ اٰلِ محمدٍ وبارِکْ وسلّم اِنّکَ حمیدٌ مجیدٌ۔

بذل مال در راہش کسے مفلس نمے گردد

(مکرم غلام رسول صاحب اعوان ناظم انصار اللہ ضلع ڈیرہ غازیخان)

خدا جانتا ہے کہ میر قاسم علی صاحب مرحوم کی رُوحانی رفعتوں کا مقام کیا ہوگا۔ لیکن انہوں نے کہا تو یہ کہا کہ حضرت اقدس کے رُخِ انور کی ایک جھلک ان کی حقیر قربانیوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ قیمتی تھی۔

مومن کی ایک بڑی صفت انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ اور یہ صفت اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ وعدہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے کہ جو شخص خدا کے لئے دے گا میں اُس کو چند گُنا برکت دوں گا۔ دُنیا میں بھی اُس کو بہت کچھ ملے گا اور آخرت کی جزا بھی دیکھ لے گا کہ کتنا آرام میسر آتا ہے۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ واقعی اور قطعی طور پر وہی شخص میری جماعت میں سمجھا جائے گا جو اپنے عزیز مال کو اس راہ میں خرچ کرے گا اور جو شخص مال کی محبت کرکے خدا کی راہ میں وہ خدمت نہیں بجالاتا جو بجالانی چاہیئے وہ ضرور اس مال کو کھوئے گا۔ (ریویو ستمبر ۱۹۰۳ء)

جاننا چاہیئے کہ اس سلسلہ میں شامل ہر شخص کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی آمدنی کا کم از کم سولہواں حصّہ ضرور دین کے لئے خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کی کثیر تعداد ایسی ہے جو مقررہ حد سے بھی زیادہ خرچ کرتی ہے لیکن بعض ایسے بھی ہیں جو اپنی کم فہمی کی بناء پر اپنی آمدنی کم لکھا کر کچھ چندہ کی رقم تو بچا لیتے ہیں لیکن صدق و راستی سے ہٹ کر اپنے چندہ کو غیر مقبول بنا لیتے ہیں۔

اس سلسلہ میں مجھے حضرت مصلح موعود کی تقریر کا ایک ایمان افروز اقتباس ملا ہے جو قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے:-

"چوہدری رستم علی صاحب غالباً پہلے سب انسپکٹر تھے پھر خدا تعالیٰ نے اُن کو انسپکٹر بنا دیا۔ سب انسپکٹری کی تنخواہ سے وہ ایک معقول رقم چندہ کے طور پر دیا کرتے تھے۔ اُس وقت غالباً ان کی تنخواہ -/۸۰ روپے تھی۔ پھر -/۱۸۰ ہوگئی۔ جب اُن کا خط آیا حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ بیمار تھے۔ میں نے خود اُن کا خط پڑھ کر حضرت اقدس کو سُنایا۔ انہوں نے خط میں لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عہدہ میں ترقی دے کر تنخواہ میں ایک سو روپے کی زیادتی فرمائی ہے۔ مجھے اپنے گذارہ کے لئے زیادہ روپوں کی ضرورت نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے میری تنخواہ میں اضافہ محض دین کی خدمت کے لئے کیا ہے۔ اس لئے میں علاوہ اس چندہ کے جو پہلے ماہوار بھیجا کرتا تھا یہ سَو روپیہ ترقی والا بھی بھیجتا رہوں گا...... دیکھو اس قسم کے نمونے کتنے نادر ہیں۔ مگر اُس وقت کثرت سے ایسے نمونے پائے جاتے تھے۔ میں نے بعد میں اُن کو دیکھا تو اُن کے دل اس بات پر خوش نہیں تھے کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ کافی تھا۔ کیونکہ وہ کہا کرتے تھے کہ حضرت اقدس کا وجود اس سے بہت زیادہ اہم تھا جتنا کہ انہوں نے سمجھا۔ وہ اس بات کو خوش قسمتی سمجھتے تھے کہ انہوں نے زمانہ کے مامور کو دیکھ لیا۔ آج بھی ہماری جماعت میں ایسے لوگ ہیں کہ حضرت اقدس کے زمانہ کو یاد کرکے یہ کہنے کو تیار ہو جائیں گے کہ کاش ہماری عمر سے دس بیس سال کم ہو جاتے لیکن زندگی میں ایک بار حضرت اقدس کو دیکھنے کا موقع مل جاتا۔" (تاریخ احمدیت جلد ۷ - تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۴۲ء)

پیرامونٹ چیف ناصر الدین کینوا گمانگا

(مکرم ناصر احمد صاحب سابق مبلّغ سلسلہ سیرالیون مغربی افریقہ)

مارچ ۱۹۶۵ء سے اکتوبر ۱۹۶۹ء تک ساڑھے چار سال خاکسار سیرالیون میں بسلسلہ اعلائے کلمۃ اللہ مقیم رہا۔ BOAJIBU میں جو سیرالیون کے مشرقی صوبہ میں SEMBARU چیفڈم کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ وہاں پر میں پیرامونٹ چیف ناصر الدین کینوا گمانگا صاحب جو اُن دنوں جماعت ہائے احمدیہ سیرالیون کے نیشنل پریذیڈنٹ تھے کا مہمان تھا۔

جب پیرامونٹ چیف گمانگا صاحب اپنے ہیڈ کوارٹرز BOAJIBU میں موجود ہوتے اور خاکسار بھی وہاں مقیم ہوتا تو ایک وقت کا کھانا چیف صاحب ہمیشہ اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتے یہ پیرامونٹ چیف صاحب کا دستور تھا۔

چیف گمانگا صاحب انتہائی منکسر المزاج اور بہت زیادہ مہمان نواز تھے۔ آپ نہایت مخلص احمدی تھے۔ آپ کو تبلیغ کا بھی بہت شوق تھا۔ جب بھی موقع ملتا تبلیغ کرتے۔ آپ اپنے علاقہ کے مجسٹریٹ درجہ اوّل تھے۔ چنانچہ اکثر دیکھا کہ مقدمات کی سماعت کے دوران قرآن مجید کی تعلیم کی روشنی میں بطور استدلال قرآنی آیات پیش کرتے اور احادیث نبویؐ سے استنباط کر کے مقدمات کا فیصلہ سُناتے اور دوران سماعت مقدمات وعظ و نصیحت کے رنگ میں تبلیغ بھی کرتے۔ آپ کا یہ طریق کار بہت زیادہ پسند کیا جاتا تھا۔ لہذا آپ کی کورٹ باری میں جو ہر خاص و عام کے لئے کھلی کچہری کی طرح تھی لوگوں کا جم غفیر رہتا تھا۔ دُور دُور سے لوگ مقدمات کی سماعت کے لئے آتے۔ دوران سماعت مقدمات چیف صاحب کا لیکچر جو نہایت معلوماتی اور فاضلانہ انداز میں ہوتا لوگ سُن کر لُطف اندوز ہوتے۔

آپ کی گفتگو میں لطافت، فصاحت اور بلاغت کا رنگ بھی ہوتا جس سے سامعین لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ علم کے گوہر نایاب سے بھی فیض یاب ہوتے۔ چیف صاحب ایک بہت اچھے مقرر تھے۔ سامعین کو دوران لیکچر لطائف سُنا کر ہنساتے بھی اور سبق آموز کہانیاں سُنا کر رُلا بھی دیتے۔ آپ کی کورٹ باری میں راقم نے اپنی آنکھوں سے لوگوں کو آنسو پونچھتے دیکھا اور کچہری کی فضا میں قہقہوں کو بھی سُنا۔ شروع شروع میں جب میں ان لوگوں کی زبان سے واقف نہ تھا تو ایک بہرے اور گونگے کی طرح صرف اشاروں کنائیوں سے ہی کام لیتا۔ لیکن بعد میں جب مجھے اُن کی مینڈے زبان سمجھ آنے لگی اور مجھے کچھ سُوجھ بوجھ ہو گئی تو میں ان کی علمی و ادبی مجالس سے خوب لُطف اندوز ہُوا کرتا۔

کورٹ باری میں چیف صاحب کا بیٹھنے کا ایک خاص انداز تھا۔ مقدمات کی سماعت اور فیصلہ جات کے بعد بھی سامعین بغیر اکتائے آپ کی علمی اور مذہبی گفتگو سے لُطف اندوز ہوتے رہتے۔

وہاں پر عام دستور ہے کہ پیرامونٹ چیف کے دربار میں معزز مہمانوں کو لوکل شراب جسے PALM WINE کہتے ہیں پیش کی جاتی ہے یا پھر لوگ BEER وغیرہ پیتے ہیں۔ لیکن آپ کی عدالت میں اور آپ کے دربار میں شراب نوشی پر سختی سے پابندی تھی یہاں تک کہ میں

نے کسی کو سگریٹ نوشی کرتے بھی نہیں دیکھا۔

مہمانوں کا خیال رکھتے ہوئے اکرام ضیف کا فریضہ خوش اسلوبی سے ادا کرتے۔ آپ اپنے مہمانوں کو لوکل کافی تیار کروا کر پلاتے تھے۔ خاص مہمانوں کو آپ اپنے قریب کے حلقہ میں بٹھاتے تھے۔ آپ کے چہرہ پر ہر وقت ایک مسکراہٹ رہتی تھی۔ غصّہ کی حالت میں بھی یہ مسکراہٹ آپ کے چہرہ سے غائب نہ ہوتی۔ اس مستقل مسکراہٹ میں آپ کی صحت، خوشی اور خوش حالی کا راز تھا۔ آپ کے چہرہ پر یہ ایک قدرتی مسکراہٹ تھی جس کے ساتھ ایک نورانی ہالہ تھا جو ہر وقت نمایاں رہتا تھا۔

چیف صاحب بہت دُعا گو بزرگ تھے۔ آپ کی عمر ساٹھ سال سے کچھ اوپر تھی۔ آپ تہجد کی نماز کے بہت پابند تھے۔ سادگی اور عبادت کا یہ عالم تھا کہ ایک چھوٹے سے حُجرہ میں ایک چٹائی پر جائے نماز بچھا کر رات گزار لیتے۔ دوسرے چیفوں کی طرح میں نے انہیں آرام و آسائش میں زندگی گزارتے کبھی نہیں دیکھا۔ نماز باجماعت ادا کرتے۔ کچہری میں مقدمات کی سماعت کے دوران جب کبھی ظہر کی نماز کا وقت آجاتا تو حاضرین سے فرماتے کہ آپ لوگ کچھ دیر انتظار کریں مَیں اپنے خالق و مالک کے دربار میں حاضری دے آؤں اور یہ الفاظ اس پیار اور محبّت بھرے انداز میں کہتے کہ حاضرین عش عش کر اٹھتے۔

مَیں نے دیکھا اور میرا احساس ہے کہ آپ کے قبیلہ کے لوگ آپ کے جانثار تھے اور آپ کے ساتھ بے حد محبّت کرتے تھے۔ شہد کی مکھیوں کی مانند جس طرح وہ ملکہ مکھّی کے ارد گرد جمع رہتی ہیں۔ بعینہٖ چیف گمانگا صاحب کی رعایا آپ کے ساتھ وابستگی کا اظہار کرتی اور عقیدت کے پھُول نچھاور کرتی تھی۔ آپ جب کبھی انہیں کوئی حکم دیتے تو وہ فوراً بجا لاتے۔ کسی کام کے لئے بُلاتے تو وہ بھنبناتی ہوئی شہد کی مکھیوں کی طرح آپ کے ارد گرد جمع ہو جاتے۔ آپ کے اشاروں پر کام کرتے۔ کھانے کے ٹیبل پر ہر روز آپ کے ارد گرد بیس پچیس مہمان نظر آتے۔

تہواروں کے مواقع پر چیف صاحب کے محل میں ایک میلہ لگا رہتا۔ COMPOUND میں گائیں ذبح ہوتی تھیں۔ لوگ آتے، کھاتا کھاتے اور ناچتے گاتے منڈلاتے رہتے۔ چیف صاحب کے محل کے احاطہ میں شراب نوشی پر پابندی تھی۔ لوگ اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے اور شراب و سگریٹ نوشی سے حتی الامکان پرہیز کرتے تھے۔

ہر جاندار کا رزق خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ چیف صاحب کا رزق بھی خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں تھا۔ انہیں یہ پتہ نہیں تھا کہ ہر روز اتنا رزق کہاں سے آتا ہے۔ ایک لنگر جاری تھا جو کبھی ختم نہیں ہوا۔ آپ خیرات بھی کرتے تھے۔ بہت سے غرباء، مساکین اور نادار لوگ آپ سے بے شمار اشیاء خورد و نوش اور نقد رقوم حاصل کرتے تھے۔ چیف صاحب کسی سوالی کو خالی ہاتھ نہ جانے دیتے تھے۔

کسی انسان کی زیادہ تعریف کرنے کی بجائے خدا تعالیٰ کی تعریف ضروری ہے جو خالق ہے۔ جس نے اپنی قدرت سے حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو اس قسم کے جانثار عطا فرمائے جو اپنے اپنے محدود حلقہ میں اپنے زمانہ اور دَور کے حاتم طائی تھے۔ چیف گمانگا صاحب SEMBARA چیفڈم میں کسی حاتم طائی سے کم نہ تھے۔ بلکہ اکرام ضیف کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ آپ اپنے پروردگار کے سامنے ہر وقت جھکنے والے تھے۔ آپ اپنا قیمتی وقت خدا تعالیٰ کی عبادت اور حمد و ثنا میں گزارتے تھے۔

مَیں نے چیف صاحب کو خوشحالی کے زمانہ میں بھی دیکھا اور تنگ دستی کی حالت میں بھی۔ لیکن آپ ہمیشہ مسکراتے رہے اور اپنے خالقِ حقیقی کے شکر گزار بندے بن کر رہے۔ آپ کو اپنے خداوند تعالیٰ پر بہت بھروسہ تھا۔ آپ حضرت بانیٔ سلسلہ کے سچے دل سے عاشق اور جانثار تھے۔ امامِ وقت سے ایک قلبی تعلق تھا۔ آپ نے امامِ وقت کی اطاعت میں ہی زندگی بسر کی۔ آپ سلسلہ کے خادموں کے بھی ایک ادنیٰ خادم بنے رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

اللہ تعالیٰ ہی سب تعریفوں کا مستحق ہے جس نے اپنے بندوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی اور کچھ ایسے اوصافِ حمیدہ عطا فرمائے کہ ان کے مرنے کے بعد بھی لوگ انہیں یاد کر کے ان کی تعریف کرتے رہتے ہیں۔ الحمد للہ۔

ماہنامہ "انصار اللہ" کے نمائندگان

محترم صدر صاحب مجلس انصار اللہ مرکزیہ نے حسب ذیل دوستوں کو ماہنامہ "انصار اللہ" کے نمائندگان مقرر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ مبارک کرے اور ان سب کو اعلیٰ رنگ میں ماہنامہ انصار اللہ کی خدمت کی توفیق بخشے آمین۔

(۱)۔ مکرم محمد اکرم خانصاحب غوری نمائندہ برائے انگلستان۔
(۲)۔ مکرم چوہدری مقصود احمد صاحب ورک نمائندہ برائے ناروے۔
(۳)۔ مکرم حسن محمد خانصاحب عارف 〃 〃 کینیڈا
(۴)۔ مکرم عبدالرشید صاحب سماٹری 〃 〃 کراچی

(مینیجر ماہنامہ انصار اللہ۔ ربوہ)

"درخت لگایئے"

(مرسلہ مکرم قائد صاحب ایثار مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

قیادتِ ایثار انصار اللہ کے لائحہ عمل میں یہ امر بھی شامل ہے کہ " (۱) گھروں میں۔ گذر گاہوں میں۔ پھلدار اور سایہ دار درخت لگانے کی تلقین کی جائے۔ (۲)۔ لگائے ہوئے درختوں کی حفاظت اور نگہداشت کی طرف بھی توجہ دیں۔"

قطع نظر اس کے کہ درختوں کے لگانے کا انسانی صحت پر کیا اثر ہے ہمیں اس لئے درخت لگانے چاہئیں کہ درختوں کے لگانے کے متعلق ہمارے ہادی آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اگر ہم اس نیت کے ساتھ درخت لگائیں تو علاوہ مادی فائدے کے ہمیں اطاعتِ رسولؐ کا بھی ثواب ہوگا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ کوئی مسلمان جو درخت لگاتا ہے یا کھیتی باڑی کرتا ہے جب کوئی پرندہ یا جانور اس سے کچھ کھاتا ہے تو اس کو بھی ثواب ملے گا۔ پس درخت لگانا صدقہ جاریہ ہے۔ اور احباب کو چاہیئے اپنے گھروں میں پھلدار درخت، گھر کے باہر سایہ دار درخت لگا کر ان کی حفاظت کریں۔

جنوبی امریکہ سے ایک مکتوب

مکرّم حسن بخش صاحب ایڈن برگ کے پرانے احمدی ہیں اور وہاں کی مسجد کے امام، آپ لکھتے ہیں :-

محترم مینیجر صاحب ماہنامہ "انصاراللہ" ربوہ ـــــ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کی درخواست ہے کہ مَیں مضمون لکھ کر ماہنامہ میں شائع ہونے کے لئے بھجواؤں۔ مَیں چونکہ اُردو صراحت سے بول نہیں سکتا اور لکھ بھی نہیں سکتا اُمید ہے آپ میرا خط شائع کر دیں گے۔

میرے ابّا جان ۱۲ برس کے تھے جب ۱۹۰۹ء میں زمینِ ہند سے گی آنا تشریف لائے۔ آپ کا نام فقیر تھا اور میرے پردادا کا نام امیر تھا۔ اور اتنا خیال بھی ہے کہ آپ کے ماما کا نام حبیب اللہ تھا۔

جب میری عمر ۱۴ یا ۱۵ برس کی تھی میرے ابّاجان ہم سے کہتے رہتے اور ایک روز جو اَب تک مجھے یاد ہے کہ مَیں نے ہندوستان سے سُنا ہے کہ امام مہدی چودھویں صدی میں پیدا ہوگا۔ اور پیدا ہؤا ہے کیونکہ یہی چودھویں صدی ہے اور اَب تک وہ باتیں ہمیں یاد ہیں اور ہر موقع پر لوگوں کو یہ باتیں سُناتے رہتے ہیں اور یہ بھی کہ لوگ ایماندار اور پارسا ہو گئے۔ جب میں ۳۵ برس کی عمر کا ہؤا اور شادی وغیرہ ہوئی اور لڑکا بھی ہوگیا ایک روز جو عید کا دن تھا اور مکرم مولوی بی۔ اے آرچرڈ (B.A. ORCHARD) کا زمانہ تھا جو گی آنا کے مبلغ اور امیر تھے۔ مسجد کی طرف روانہ ہؤا یعنی عید کی نماز کے لئے جہاں مولوی B.A. ORCHARD بھی موجود تھے۔ جب نماز ختم ہوئی اور لوگ باہر نکلے اور لوگوں کے درمیان کچھ گفتگو ہو رہی تھی۔ ایک بھائی جس کا نام یوسف خان ہے آ کر مجھ سے پوچھنے لگے کہ ـــ بھائی ـــ اس جماعت کو جو احمدیہ جماعت ہے آپ قبول نہیں کریں گے؟ تو مَیں نے اسے جواب دیا کہ مَیں نے سُنا ہے کہ آپ لوگ سنّت نہیں پڑھتے۔ تو اُس نے کہا کہ جی ہم لوگ سب نمازیں پڑھتے ہیں۔ اس پر مَیں نے پوچھا کہ احمدیّت کونسی جماعت ہے تو بھائی یوسف خان نے کہا کہ یہ جماعت امام مہدی کی ہے اور اس جماعت میں خلافت کا نظام مقرر کیا گیا ہے اور مبلّغ ساری دُنیا میں بھجوائے گئے ہیں تبلیغ ہی کے لئے اور امام مہدی کے آنے کی خبر یعنی لوگوں کو بتانے کے لئے کہ جس کا تم انتظار کر رہے ہو وہ آ گئے اور اس کو قبول فرمایئے۔ تو مَیں نے کہا کہ میرے ابّاجان ہم سے یہ باتیں کہتے تھے کہ امام مہدی ۱۴ صدی میں پیدا ہوگا اور مَیں ضرور قبول کروں گا۔ مَیں نے کچھ اعتراض نہیں کیا۔ دو دن کے بعد بیعت کا فارم دیا گیا۔ اور مَیں نے اس فارم کو پُر کر کے واپس دے دیا۔ کچھ دن کے بعد حضور سے خط ملا کہ میری بیعت قبول ہوگئی۔ الحمدللہ یہ ۱۹۶۰ء کا سال تھا۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا ہے اور کوئی نہیں۔

ایک روز میری اور مولوی ابراہیم خانصاحب جو یوسف خانصاحب کے سگے بھائی ہیں سے کچھ بات چیت ہوتی رہی۔ جب انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر کسی شخص کے دل میں شک ہو کہ میرزا صاحب مسیح نہیں ہیں تو اللہ سے دُعا کرے خلوصِ دل سے۔ اللہ تعالیٰ دُعا قبول کرے گا۔ اور وہ حضور کو انشاء اللہ خواب میں دیکھے گا۔ مَیں نے اس بات کو دل میں رکھا اور اسی دن سے مَیں دُعا کرنے لگا۔ کہ یا اللہ تعالیٰ اگرچہ میں نے دل میں

کچھ شک نہیں رکھا اور تکذیب بھی نہیں کی۔ اور قبول کرنے میں تامل بھی نہیں کی اور دل سے امام الزمان کو قبول کیا ہے۔ لیکن ہم پر رحم فرما اور اپنا فیض ہم پر برسا۔ اور میری اس دُعا کو قبول فرما۔ ہر روز یہی میری دُعا تھی۔ ایک رات خواب میں میں نے دیکھا کہ میرے ساتھ ایک راستہ پر کوئی جا رہا ہے۔ جاتے جاتے ایک مقام پر ٹھہرا۔ اور میرے ساتھی نے مجھ سے کہا کہ مشرق کی طرف دیکھو۔ اور مشرق کی طرف راستہ گیا ہے تو مجھ سے کہا کہ دیکھو اس طرف سے لائٹ (LIGHT) آرہی ہے۔ تقریباً ایک منٹ کے بعد میں نے دیکھا ایک بھاری لائٹ (LIGHT) آرہی ہے۔ جیسے ایک FLORES CENTA LIGHT جو دوسری قسم کی لائٹ (LIGHT) تھی۔ ہم دونوں کو معلوم نہیں کہاں سے MOTOR ملی اس پہ سوار ہو کر پاس گئے تو دیکھا کہ امام مہدی ہے۔ پھر وہاں سے امام مہدی اور ہم دونوں مسجد کی طرف آئے MOTOR BIKE ٹھہرا کے مسجد میں داخل ہوا امام مہدی اور ایک گتے کے بکس میں سے کتاب نکال کر باہر لے آیا۔ اسی موقع پر آنکھ کھل گئی۔ الحمد للہ۔ سبحان اللہ ہو تعالیٰ نے میری دُعا کو پورا فرمایا اور دل میں بہت حوصلہ پیدا ہوا اور ایمان زیادہ مستحکم ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا بار بار شکر ہے۔

ایک کشفی نظارہ

محترم مینیجر صاحب! ایک دوسرے موقع پر ایک رات کوئی تقریباً تین بجے فجر کے وقت میرے کان میں ایک آواز آئی۔ اور ایسی آواز جب کان میں پڑی نیند سے ہوش آگئی۔ میں کیا سنتا ہوں! کان میں جو آواز آتی تھی جیسے درس القرآن کوئی کر رہا ہے۔ میں خوب کان لگا کر غور سے سننے لگا۔ میں نے چاہا کہ بیوی کو جگا دوں۔ لیکن دل نے کہا کہ اس کو مت جگاؤ۔ تو اس کو نہیں جگایا۔ اور درس القرآن ہوتا رہا اور میں غور سے سنتا رہا۔ آخر میں اس شخص نے یہ کہا کہ اچھا اب میں ختم کرتا ہوں اور حسن بخش کو پیش کرتا ہوں آپ کے پاس۔ یہ سب حال میں نے ہوش میں سنا۔ میں نے مکرم مولوی فضل الٰہی صاحب بشیر جو اس ملک کے امیر اور مبلغ تھے ان سے کہا تو آپ نے فرمایا کہ وہ کشف تھا۔ اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ادا کیا۔

میں نے لکھنا نہیں سیکھا اور اچھی اردو زبان بھی بول نہیں سکتا۔ مگر کوشش کر رہا ہوں۔ میں نے اس لئے اپنے ابّاجان اور پردادا کا نام اس خط میں لکھا ہے کہ تا شائد کوئی رشتہ دار ہمارا زمینِ ہند میں ضرور ہو اور اگر احمدیہ جماعت میں ابھی شامل نہیں ہوئے تو شامل ہوں اور ان فیوض کو حاصل کرے۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ و سبحان اللہ العظیم۔

اللّٰھم صلّ علیٰ محمدٍ وعلیٰ اٰلِ محمدٍ وبارک وسلّم انّک حمیدٌ مجیدٌ

پروفیسر عبدالسلام پر ایک کتاب

۱۷ اپریل کے روزنامہ الفضل میں "پروفیسر عبدالسلام پر ایک کتاب" کا تعارفی جائزہ شائع ہوا ہے۔ کتاب کا نام "عبدالسلام" ہے۔ اور پاکستان کے ایک مشہور سائنس دان ڈاکٹر عبدالغنی صاحب کی تصنیف ہے۔ کتاب دفتر مجلس انصار اللہ مرکزیہ سے مبلغ ۸۰ اسّی روپے رعایتی قیمت پہ دستیاب ہے۔

(قائد مال مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ)

ایک اطالوی نومسلم

ڈاکٹر محمد عبد الہادی کیوسی

(کتاب "میرا حج بیت اللہ" سے ماخوذ)

مکرم مولانا فضل الٰہی صاحب انوری۔ وکالت تبشیر ربوہ

(قسط ۳)

ربوہ میں قیام کے دوران انہیں بظاہر ایک معمولی سی نوعیت کا واقعہ پیش آیا۔ مگر اُس کی مسحور کُن کیفیت انہیں ماضی کے ایسے دور میں لے گئی جہاں خدا تعالیٰ کی محبت مہرِ مادری کا روپ دھار کر انسان کو کنارِ عاطفت میں لے لیتی ہے اس واقعہ کی تفصیلات انہی کی زبان سے سنیئے :۔

"ایک شام میرے پاس دارالضیافت میں فرانکفرٹ کے مبلغ مسعود احمد جہلمی کے گھر والے آئے۔ وہ سب جانتے تھے کہ مجھے ان سے کس قدر محبت ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ میری زبان سے ان کی خیریت کا حال سُنیں۔ مَیں انگریزی میں ان کے بھائی داؤد احمد سے باتیں کر رہا تھا اور وہ کہیں کہیں تھوڑی بہت ترجمانی دوسرے حاضرین کے لئے بھی کرتے جا رہے تھے۔ مَیں نے دیکھا کہ ان رشتہ داروں کے حلقہ میں ایک معمر خاتون برقعہ اوڑھے بیٹھی ہے۔ جو سب کچھ سُن تو رہی تھی مگر کوئی لفظ مُنہ سے نہیں نکال رہی تھی۔ اچانک مَیں کیا دیکھتا ہوں کہ اس خاتون نے اپنے چہرے سے نقاب اُٹھا دیا۔ اب اس کا پیار بھرا گول سا چہرہ میری نظروں کے سامنے تھا۔ اِدھر ہم سب تھے کہ گُنگ ہو کر رہ گئے۔ وہ خاتون مجھے اور مَیں اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ نہ وہ انگریزی جانتی تھی اور نہ مَیں پنجابی یا اردو بول سکتا تھا۔ لیکن یہاں الفاظ کی ضرورت نہ تھی۔ میرے بھائی مسعود کی والدہ مجھے اپنی خاموش نگاہوں سے وہ سب کچھ کہہ چکی تھی جو وہ کہنا چاہتی تھی۔ ان کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کی لڑی میں ایک ماں کا پیار چھلک کر باہر آ رہا تھا۔ وہ یوں خوشی سے مسکرا رہی تھی۔ جیسے اسے اپنا پیارا بیٹا ایک لمبی جدائی کے بعد مل گیا ہو۔ مَیں بھی اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ اسی وقت میری آنکھوں میں بھی آنسو اُمڈ آئے کیونکہ میرے سامنے اس وقت پھر ایک حقیقی ماں کھڑی تھی۔ بالکل اسی طرح کی ماں جسے مَیں کئی سال ہوتے کھو چکا تھا۔ ہم دونوں بغیر کوئی لفظ مُنہ سے نکالے، بغیر کچھ حرکت کئے مسکرا رہے تھے اور دل ہی دل میں ماں بیٹے کی باہمی محبت کا وہ آہنی رشتہ محسوس کر رہے تھے جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔"

ربوہ نے بحیثیت مجموعی ان کے صافی دل پر کیا نقش پیدا کیا۔ اس کی رُوئیداد بھی پڑھنے کے قابل ہے۔ وہ لکھتے ہیں :۔

"یہ ہے ربوہ کے متعلق میری یادوں بھری داستان اور یہ ہے اپنی حقیقی شکل وصورت میں وہ بستی جس کا ہر کاروبار، ہر انتظامی ڈھانچہ اور روز مرہ کی مصروفیات کا ہر دائرۂ عمل ایمان اور یقین کی رُوح سے بھر پور نظر آتا تھا۔ یہی وہ رُوح ہے جو ہمیں ان تبلیغی کارناموں میں نظر آتی ہے جو اس بستی کے رہنے والے جذبۂ حبِّ انسانیت سے سرشار ہو کر دُنیا بھر میں بجا لا رہے ہیں۔ اور جن کا واحد مقصد ہے "خدا تعالیٰ اور بنی نوع انسان کی بے لوث خدمت کرنا"۔

ربوہ میں امام جماعت احمدیہ سے ملاقات کا منظر بھی ان کے لئے اتنا ہی دلکش تھا جتنی کہ آپ کی دلغریب شخصیت۔ اس کا نقشہ انہوں نے درج ذیل الفاظ میں کھینچا ہے:-

"میری ربوہ سے روانگی کے دن مجھے ایک بار پھر حضور سے مختصر سی ملاقات کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ ہم دونوں اکٹھے چائے پی رہے تھے ..... آپ کے واسطے چائے میں ڈالنے کیلئے ایک چمچ بھر شہد کا ذکر چھڑا۔ اس پر امام جماعت احمدیہ نے میری طرف پدرانہ شفقت کے لہجے میں مسکراتے ہوئے فرمایا۔

"ڈاکٹر صاحب! جب بھی میں ایک شہد کا چمچ کھاتا ہوں تو مجھے خیال آتا ہے کہ مجھے دو ہزار بار الحمدللہ پڑھنا چاہیئے... کیونکہ پیشتر اس کے کہ اتنی سی خوراک میرے دستر خوان پہ آئی اسے تیار کرنے کے لئے دو ہزار مزدوروں نے رات دن محنت کی ہے"۔

قادیان اور ربوہ دیکھنے کے بعد ڈاکٹر کیوسی صاحب کا اگلا پروگرام عمرہ کرنا اور مقاماتِ مقدسہ کی زیارت تھا۔ چنانچہ وہ کراچی سے سیدھا جدّہ پہنچے۔ یہاں ان کی ملاقات پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ایک احمدی دوست عبدالباقی ارشد صاحب سے ہوئی۔ ارشد صاحب جس طرح اس اجنبی ملک میں ان کے لئے ایک غیبی سہارا ثابت ہوئے۔ اس سے متاثر ہو کر انہوں نے بجا طور پر ان کو اپنے لئے "مددگار فرشتہ" کا خطاب دیا۔ انہوں نے بیت اللہ کی زیارت، طواف کعبہ اور مدینہ میں مسجد نبوی اور دیگر زیارت گاہوں کا ایک دلغریب نقشہ کھینچا ہے تاہم خانہ کعبہ کے آخری طواف کے دوران ایک ایسا اتفاق رونما ہوا جس نے ان کے دل پر گہرے نقوش چھوڑے۔ آپ نے اسے ایک حسین اتفاق قرار دیا اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اعجازی کیفیت کو ایک گوہرِ بے بہا کے طور پہ اپنے دل میں محفوظ کر لیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بیان بھی انہی کے الفاظ میں کر دیا جائے:-

"۴ جنوری کی صبح کو .... آخری طواف کیلئے جب میں مسجد الحرام میں پہنچا تو سورج ابھی طلوع ہوا ہی تھا۔ تاہم اس کی کرنیں ابھی صحنِ مسجد تک نہیں پہنچنے پائی تھیں۔ میں طواف کرتے ہوئے چوتھے چکر کے دوران جب "کتاب الحج" میں سے دعائیں پڑھتے پڑھتے اس جملہ پر پہنچا کہ "اے اللہ مجھے اندھیروں میں سے روشنی کی طرف نکال"۔ تو اچانک کسی گرم گرم اور روشن چیز نے میرے رخسار کو چھو لیا اور میں انتہائی حیرت کے عالم میں مبہوط کھڑا رہ گیا۔ یہ کیا تھا۔ اپنی ذات میں تو کوئی غیر معمولی چیز رونما نہ ہوئی تھی۔ صرف یہ ہوا کہ عین اس وقت جبکہ میں کعبہ کی اوٹ میں سے نکل کر کھلے صحن میں آیا تو سورج ٹھیک اتنی بلندی پر پہنچ چکا تھا کہ اس کی پہلی گرم گرم کرن میری پیشانی پر پڑی جس نے میری اس وقت کی ذہنی کیفیت

کے مطابق جو میری مکّہ سے عنقریب روانگی کے احساس سے پیدا ہو رہی تھی مجھ پہ بجلی کا سا اثر کیا۔ اور میرے جسم کے رگ و ریشہ میں نامعلوم سعادت اور خوشی کی ایک لہر پیدا کر دی۔"

جنوری ۱۹۷۹ء میں ڈاکٹر کیوسی صاحب کو حج کی سعادت نصیب ہوئی اس غرض کے لئے ویزا کے حصول میں انہیں ایک یورپی نو مسلم اور پھر احمدی ہونے کے اعتبار سے کس قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ حج کے دوران انہیں کیا دقتیں پیش آئیں۔ کونسے رُوحانی تجربات حاصل ہوئے اور بالآخر اس فریضہ کی ادائیگی کے بعد انہیں کس قدر قلبی سرور حاصل ہؤا۔ ان سب کا انہوں نے اپنے سفرنامہ میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ارکانِ حج کے بیان کے ساتھ ساتھ ان کی حکمت اور فلسفہ پر بھی یورپی اندازِ فکر کے مطابق روشنی ڈالی ہے۔

مثلاً خانہ کعبہ کو بیت اللہ کی حیثیت سے عالم اسلامی کا مقدس ترین شعار اور حج کا نقطۂ مرکزی قرار دیئے جانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:۔

"کیا اس معمّہ کو یوں سمجھا جائے کہ ذاتِ خداوندی سب کی سب سمٹ کر یہاں آگئی ہے۔ یا یہ کائنات کا پیدا کرنے والا خدائے قدوس دیگر ارضی و سماوی مقامات کی نسبت اس مکان کے زیادہ قریب ہے۔ یا پھر کیا یہ کہا جائے کہ یہاں باری تعالیٰ متجسم صورت میں موجود ہے۔ یا وہ اس مختصر سی بے آباد عمارت کے اندر پوشیدہ ہے۔ اسی طرح کیا یہ فرض کر لیا جائے کہ اس چار دیواری یا اس کے گرد لپٹے ہوئے اس سیاہ غلاف کے اندر سے کسی غیر مرئی توانائی کی دھاریں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں۔ جو صرف اور صرف یہاں سے محسوس و مشہود ہو سکتی ہیں ...... منطقی اور عقلی نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہوئے ان سارے سوالوں کا جواب میری طرف سے بغیر کسی تردّد کے دوٹوک نفی میں ہے ...... مکّہ میں ہی مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ بیت اللہ کی ظاہری شکل و صورت اور اس کی سادہ اور تکلّف سے پاک ہیئت کذائی جس میں ظاہری شان و شوکت کا نام و نشان تک نہیں اور جو فنِ تعمیر کی لطافت اور جاذبیّت سے یکسر عاری ہے۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ محض عمارت یا اس کے اندر پیوستہ حجر اسود یا اس کے مادّی اجزاءِ ترکیبی اپنی ذات میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے اور نہ ہی وہ لوگوں کی نجات کا موجب بن سکتے ہیں۔ یہ محض یادگاریں ہیں جن کے متعلّق علیم و حکیم خدا کی حکمت ازلی نے یہ تجویز کیا ہے اور ان کے سوا ان کی کوئی حکمت نظر نہیں آئی کہ وہ انسانی کمزور حافظے کو بعض حقائق یاد دلانے کے لئے بطور مددگار موجود رہیں۔"

پھر طوافِ کعبہ کی علّتِ غائی کو بایں الفاظ بیان کیا:۔

"طوافِ کعبہ میں تمثیلی طور پر یہ سبق دیا گیا ہے کہ بنی نوع انسان گردشِ دوراں میں سے گزرتے ہوئے اپنے آپ کو ایک بہت بڑے پہیئے کی طرح آستانۂ الوہیّت کے اس علامتی محور کے گرد گھمائے۔ اور اس میں جہاں اپنی ہدایت اور راہنمائی کا سامان تلاش کرے وہاں وہ سہارا بھی حاصل کرے جس کا وہ محتاج ہے۔ اور اس طرح پر وہ اپنی ہستی کو ایک معیّن روپ میں ڈھال کر اپنی زندگی کے مقصد اور اس کے لئے مقامِ حقیقت کی تعیین کرے۔"

رمی الجمار کو غیر مسلم دنیا میں بڑے بھونڈے اور تمسخر آمیز انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ مگر ہمارے اس اطالوی نو مسلم بھائی کو اس کی تہہ میں بھی ایک عظیم فلسفہ نظر آیا۔ اور

"وہ یہ ہے کہ انسان اپنی بُری نفسانی خواہشات کے خلاف علم بغاوت بلند کرے۔ گویا یہ ایک علامتی فعل ہے اس مقصد کے لئے کہ مُجرم بدی کے محرکات کو اسی طرح کچلنے کے لئے تیار رہے جس طرح وہ ان پتھروں پر سنگریزوں کی بوچھاڑ کر رہا ہے۔"

قریباً بیس لاکھ افراد کے انبوہِ کثیر میں آرام و آسائش کے دلدادہ ایک یورپی کے لئے ارکانِ حج کی ادائیگی کے دوران بعض تکلیفوں کا پیش آنا لازمی اَمر تھا۔ مگر اس نیک فطرت انسان نے ہر ایسے واقعہ کی ایسے رنگ میں توجیہہ کی کہ دل سے ان کے لئے تحسین و آفرین کی صدا بلند ہونے لگتی ہے۔ مثلاً مسجد نبویؐ میں نماز کے دوران انہوں نے جو ہنگامہ اور افراتفری کا منظر دیکھا اس کی کیفیت یوں بیان کی۔

"مدینہ کی اس جامع مسجد میں جہاں میرے اندازے کے مطابق یا اس تعداد کے لحاظ سے جو مجھے بتائی گئی ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ پچاس ہزار نمازی سما سکتے ہیں اگر نماز سے ذرا قبل تمام کی تمام صفیں پُر ہو چکی ہوتی ہیں تو نماز کے شروع ہوتے ہی چند ہزار اور لوگ صفوں کو چیرتے اور نمازیوں کے اوپر سے پھلانگتے ہوئے اندر گھس جاتے ہیں۔.... ..... اور صرف اسی صورت میں باہر رہنے پر راضی ہوتے ہیں جب زور آزمائی اور طاقت کے بل پر بھی مسجد میں داخل ہونا ممکن نہ رہے۔"

اس اژدہام پر انہوں نے بڑے پیارے انداز میں تبصرہ کیا ہے:۔

"ان تمام مظاہر کی توجیہہ یوں سمجھ میں آسکتی ہے کہ یہ مقام ایک خاص اہمیت کا حامل ہے جہاں اہل اسلام اپنے خدا اور اس کے رسولؐ کی محبت میں سرشار ہو کر آتے اور ان کے حضور ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمام زمین میرے لئے سجدہ گاہ بنائی گئی ہے اور اسی طرح پر ہر جگہ اور ہر مقام فریضۂ نماز کی ادائیگی کے اعتبار سے برابر اور حصولِ ثواب کے نقطۂ نگاہ سے یکساں درجہ رکھتا ہے۔ مگر وہ لوگ جو سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے مسجد نبویؐ میں پہنچتے ہیں ان کے لئے گوہر مقصود کے قریب پہنچ کر پھر اس سے محرومی کا تصور ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ اس لئے ان کے اس بظاہر غیر مستحسن فعل میں بھی محبت اور عقیدت کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔"

ڈاکٹر کیوسی صاحب جنہیں قبول اسلام سے پہلے اور بعد فرانکفرٹ کی مسجد نور میں منعقد ہونے والے اجتماعات بالخصوص عیدین کی تقریبات میں شمولیت کے اکثر مواقع میسر آتے رہے اور جو یہ دیکھ چکے تھے کہ کس طرح ایسی ہر تقریب رنگ و نسل کی ہر تمیز مٹا کر تمام کلمہ گوؤں کو اپنے دامنِ اخوت میں لپیٹ لیتی ہے لاکھوں حجاج پر مشتمل ایک بہت بڑے بین الاقوامی اجتماع سے خاص طور پر متأثر ہوئے اور پھر اپنے تأثرات کا اظہار یوں کرتے ہیں:۔

"اس ہجوم میں چلتے چلتے مَیں تصورات کے عالم میں کھو گیا اور مَیں نے خیال کیا کہ خدا تعالیٰ کا کتنا بڑا افضل ہوا ہے

مجھ پر کہ اس نے مجھے یہ بابرکت موقعہ عطا فرمایا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے اس عظیم روحانی تموّج کا بھی خیال آیا جو فضائِ آسمانی میں پیدا ہوکر زمین کی اپنے گرد گردش کے ساتھ ساتھ مشرق سے مغرب کی طرف آہستہ آہستہ حرکت کرتا چلا جا رہا ہے۔ اور وہ دن دُور نہیں جب وہ دُنیا بھر کے لکھوکھا اور کروڑہا مسلمانوں کو اپنی بابرکت لپیٹ میں لے کر ان کو ابدی خوشحالی اور عالمگیر اخوّت سے ہمکنار کر دے گا جس کا ایک حسین تجربہ چھوٹے پیمانے پر مجھے پہلے ہی فرانکفرٹ میں ہو چکا ہے۔ اُس دن وہاں بہت سے دوستوں کو ملنے کا موقع مل جاتا ہے جو سارا سال غائب رہتے ہیں یا جو بہت ہی مصروف رہنے کے باعث دینی مشاغل کی طرف پوری توجہ نہیں دے سکتے۔ اور نہ مسجد میں آنے کے لئے وقت نکال سکتے ہیں۔ اس عید کے موقعہ پر مجھے ہمیشہ ہی ایک قسم کی جاذبیّت اور ایک خاص اہتمام دیکھنے میں آیا ہے۔ اس دن ہر مسلمان بھائی دوسرے مسلمان بھائی سے ملنے اور "عید مبارک" کے پُرخلوص تحفے کے ساتھ اس سے بغلگیر ہونے میں ایک فخر محسوس کرتا ہے۔"

اور آخر پر اس بہت بڑے دینی فرض کو کماحقّہٗ ادا کر چکنے کے بعد انہوں نے اپنی خوش نصیبی اور قلبی مسرّت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

"حج مجھے اپنی تمام تر کیفیّات اور پُرشوکت تفصیلات کے ساتھ یوں نظر آتا ہے جیسے ایک لمبی مسلسل کئی دن جاری رہنے والی نماز ہو کیونکہ وہ اپنی خاصیّت اور عمیق در عمیق شکل وصورت میں بعینہٖ انہی اغراض ومقاصد کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے جو پنجوقتہ نمازوں میں مضمر ہے .... مَیں بھی اس حج کی سعادت سے مالا مال ہونے کے بعد اپنے آپ کو اس طرح خوش قسمت خیال کرتا ہوں جیسے ایک نمازی اپنی نماز کی ادائیگی کے بعد محسوس کرتا ہے۔ مَیں ابھی ابھی اس طویل اور اپنے طرز کی انوکھی اور نرالی "نمازِ حج" کی ادائیگی کے بعد اپنے قادرِ مطلق خدا کی ملاقات سے واپس لوٹا ہوں اور اے میری داستانِ حج پڑھنے والے! مَیں تیرے لئے اس سے زیادہ بہتر الفاظ نہیں پاتا کہ تجھے کہوں

السَّلَامُ عَلَیْکُم وَرَحْمَةُ اللّٰہ

تجھ پر سلامتی ہو اور اللہ کی برکتیں اور رحمتیں ہوں۔"

معذرت

ماہ اپریل کے شمارہ میں صفحہ ۲۹ پر مضمون "مسٹر پگٹ کے عبرتناک انجام" کے پہلے پیراگراف میں کاتب نے غلطی سے یہ فقرہ لکھ دیا "مسٹر پگٹ نے انہی دنوں حضرت اقدس بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے بروز ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔" اصل الفاظ یہ تھے "مسٹر پگٹ نے انہی دنوں حضرت مسیح علیہ السّلام کے بروز ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔" احباب تصحیح فرمالیں۔ ہم اس غلطی کی وجہ سے معذرت خواہ ہیں۔ (ادارہ)

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا بابرکت عقدِ ثانی

ماہ مئی کے شمارہ کی کتابت قریباً مکمل ہو چکی تھی کہ گیارہ اپریل بعد نمازِ عصر مسجد مبارک میں قدرتِ ثانیہ کے تیسرے مظہر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے عقدِ ثانی کا اعلان ہوا۔ ربوہ کے تمام محلہ جات اور باہر سے ہزاروں کی تعداد میں احباب اس پُرمسرّت تقریب میں شامل ہوئے۔

نکاح کا اعلان حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مسنون خطبہ کے بعد محترمہ طاہرہ صدیقہ بنت محترم عبدالمجید خان صاحب آف ویرووال کے ساتھ ایک ہزار روپیہ حق مہر پر کیا۔

خطبہ نکاح میں حضور نے تفصیل سے بیان کیا کہ جماعت کا امام ہونے کے لحاظ سے اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے متضرعانہ دعاؤں کے بعد آپ نے یہ فیصلہ کیا۔ حضور کے ارشادات کا خلاصہ الفضل ۱۲ اپریل میں شائع ہو چکا ہے۔

اسی روز رخصتانہ کی تقریب نہایت سادگی سے قرار پائی۔ اگلے روز ۱۲ اپریل کو حضور نے دعوت ولیمہ دی۔ جس میں امراء صاحبان، ناظران، وکلاء، صدر صاحبان اور دیگر معززین جماعت نے شرکت کی۔

ہم اس موقع پر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ، خاندان حضرت اقدس، محترم عبدالمجید خانصاحب، آپ کے خاندان اور محترمہ طاہرہ صدیقہ صاحبہ کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں اور بارگاہِ ربّ العزّت کے حضور دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضلوں سے حضور کے مقاصد کی تکمیل فرمائے۔ اور حرم محترم حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کو حضور کی ذمّہ داریوں میں نہایت احسن رنگ میں آپ کا ہاتھ بٹانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین۔

اس موقع پر ہم حضرت اقدس کی اتباع میں ان دُعاؤں کو دہراتے ہیں۔ جو حضرت اقدس نے اپنی اولاد کے لئے کیں۔

سُن میرے پیارے باری میری دعائیں ساری ؛ رحمت سے ان کو رکھنا میں تیرے مُنہ کے واری
اپنی پنہ میں رکھیو سُنکر یہ میری زاری ؛ یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ
اے واحد یگانہ اے خالقِ زمانہ ؛ میری دعائیں سُن لے اور عرض چاکرانہ
تیرے سپرد تینوں دیں کے قمر بنانا ؛ یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

(درثمین)

بجز یقین ممکن نہیں

"پاک ہونا بجز یقین کے کبھی ممکن نہیں۔ فرشتوں کی سی زندگی بجز یقین کے کبھی ممکن نہیں۔ دنیا کی بے جا عیاشیوں کو ترک کرنا بجز یقین کے کبھی ممکن نہیں۔ ایک پاک تبدیلی اپنے اندر پیدا کر لینا اور خدا کی طرف ایک خارق عادت کشش سے کھنیچ جانا بجز یقین کے کبھی ممکن نہیں۔ زمین کو چھوڑنا اور آسمان پر چڑھ جانا بجز یقین کے کبھی ممکن نہیں۔ خدا سے پورے طور پر ڈرنا بجز یقین کے کبھی ممکن نہیں۔ تقویٰ کی باریک راہوں پر قدم مارنا اور اپنے عمل کو ریاکاری کی ملونی سے پاک کر دینا بجز یقین کے کبھی ممکن نہیں۔ ایسا ہی دنیا کی دولت اور حشمت اور اس کی کیمیا پر لعنت بھیجنا اور بادشاہوں کے قرب سے بے پرواہ ہو جانا اور صرف خدا کو اپنا ایک خزانہ سمجھنا بجز یقین کے ہرگز ممکن نہیں۔"

(نزول المسیح صفحہ ۹۱، صفحہ ۹۲)